چھ خصلتیں دخولِ جنت کا ذریعہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ، أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ، اَصْدُقُوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوْا إِذَا وَعَدْتُمْ، وَأَدُّوْا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ، وَغَضُّوْا أَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ ۔

[مسند احمد، رقم: ۲۳۱۳۷، ۵/ ۳۴۳، صحیح ترغیب (البانی)، رقم: ۱۹۰۱]

’’تم اپنے بارے میں ان چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں:

①...... جب بات کرو تو سچی کرو۔ ②...... وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔

③...... تمہارے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس کو ادا کرو۔

④...... اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ ⑤...... نگاہیں نیچی رکھو۔

⑥...... اور اپنے ہاتھوں کو روک لو۔‘‘

مسواک کی اہمیت وفضیلت ❶

مسواک کالغوی واصطلاحی معنی: صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں: **السواك هو الالة ويستعمل بالفعل ۔**
''مسواک اس آلہ کا نام ہے جس سے منہ کی صفائی کی جائے۔'' [تحفة الاحوذی: ١/ ٣٠٧، حدیث: ٢٢ کی شرح]

مسواک کی اہمیت: ''**عن ابی هريرة رضی الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله عليه وسلم قَالَ لَوْ لَا أَنْ اَشُقَّ عَلَى اُمَّتِیْ ...... أَوْ عَلَى النَّاسِ ...... لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ ۔**'' [صحیح البخاری، رقم: ٨٨٧۔ صحیح مسلم: ٢٥٤] ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت یا (فرمایا) لوگوں کے مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یقیناً انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''

اس حدیث مبارک سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ ہر وقت ہر کام میں اپنی امت کے لیے آسانی سوچتے تھے۔ اسی لیے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کی وجہ سے آپ نے ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کو پسند فرماتے تھے۔

حضرت عباس بن عبد المطلب سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِیْ لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاكَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمُ الْوُضُوْءَ ۔"

''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ان پر ہر نماز کے وقت مسواک کو اس طرح فرض کر دیتا جیسے میں نے ان پر وضوء فرض کیا ہے۔'' [صحیح الترغیب البانی، رقم: ٢٠٨]

مسواک کرنا ہر مسلمان کا حق ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**ثَلَاثٌ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ: اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالسِّوَاكُ وَيَمَسُّ مِنْ طِيْبٍ إِنْ وَجَدَ ۔**'' [سلسلة الصحيحة، رقم: ١٧٩٦، البانی، مسند احمد: ٤/ ٣٤] ''تین چیزیں ہر مسلمان پر حق ہیں: جمعہ کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا اگر میسر ہو۔''

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ مسواک کرنا ہر مسلمان پر حق ہے اسی لیے ہر مسلمان کو خصوصی اہتمام کے ساتھ مسواک کرنا چاہیے۔

مسواک کرنے کی فضیلت: مسواک کرنا رضائے الٰہی کا سبب ہے: **عن عائشة رضی الله تعالى عنها ان النبی ﷺ قَالَ اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔** [سنن نسائی حدیث نمبر: ٥۔ صحیح ابن خزیمه، رقم: ١٣٥] ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسواک منہ کی پاکیزگی اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا مسواک ایک تو منہ کی صفائی کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف رضائے الٰہی کا سبب ہے۔

[عبدالرحیم بلتستانی]

فہرست

زمین میں قتل وفساد کرنا

﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ [المائدة: ٣٢]

''جس نے بغیر کسی جان یا زمین میں فساد کے کسی جان کو (ناجائز) قتل کیا، پس اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی ایک جان کو (بچا کر) زندہ کر دیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔''

مومن کی مثال

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى)) [بخاری: ٦٠١١ - مسلم: ٤٥٨٦]

''مومنوں کی مثال، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ونرمی کرنے میں جسم کی طرح ہے۔ جب اس کا کوئی ایک عضو درد کرتا ہے تو اس کا سارا جسم اس کی وجہ سے بیداری اور بخار میں مبتلا رہتا ہے۔''

پریشانی کی دعا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعَ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ ۔

[بخاری: ٦٣٦٩ - مسلم: ٢٧٠٦]

''اے اللہ! میں فکر، غم، عاجزی، کاہلی، بزدلی، بخیلی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے تسلط سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔''

ترجیح

اداریہ

حافظ احمد شاکر

ہمارے ہاں کی معروف ضرب المثل کے مطابق اللہ تعالیٰ کی دو مخلوقوں سے نہ دوستی اچھی ہوتی ہے نہ دشمنی۔ اس مثال میں آج کل کے حالات نے تیسری ''طالبان'' نامی مخلوق کا اضافہ کر دیا کہ طالبان سے نہ دوستی اچھی نہ دشمنی۔ کیوں کہ یہ ایک ایسی تقریباً غیر مرئی مخلوق ہیں کہ ان کا ہیولیٰ جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی، جمعیت اہل حدیث، جے۔ یو۔ آئی اور تحریک انصاف کے نزدیک کوئی اور ہے اور PPP۔ ق لیگ، ایم۔ کیو۔ ایم، فصلی بٹیروں اور برسات کے مینڈکوں کے نزدیک کوئی اور۔ ہاں مسلم لیگ (ن) کا رویہ اس موضوع پر بڑا ہی ''دانشوارانہ'' ہے کہ حضرت میاں صاحبان یوں بھی ہیں اور یوں بھی۔ رموز مملکت خسروان داند والی بات ہے لیکن ہمارے خیال میں الجھاؤ......کنفیوژن......کا اصل سبب حکومت بلکہ ہمارے حکم ران ہیں کہ شورش زدہ علاقوں سے پکڑے جانے والے اور وہاں جان ہار جانے والوں کے بارے میں پاکستانی عوام کو مکمل طور پر بتایا نہیں جاتا کہ پکڑے جانے اور مارے جانے والوں میں سے کتنے مسلمان ہیں اور کتنے غیر مسلم......اور کتنے ملکی ہیں اور کتنے غیر ملکی۔ کیوں کہ کبھی کبھار حکومتی جھروکوں سے چھن چھن کر چند ایسی خبریں باہر آتی رہیں کہ مرنے والوں میں غیر مسلم بھی پائے گئے ہیں۔ اس طرح یہ وضاحت بھی عوام تک پہنچنی چاہیے کہ ان میں کتنے ازبک ہیں کتنے تاجک اور کتنے دیگر ریاستوں اور پڑوس ممالک کے باشندے ان اطلاعات سے ہمارے خیال میں عوام کی دامے، درمے، قدمے اور سخنے ہم دردیاں حکومت کو حاصل ہوں گی اور عوام کا حکومت کی کارکردگیوں سے اطلاع پا کر حکومت کے لیے اچھے جذبات کا سبب بن جائیں گے لیکن نہ جانے ہمارا......آزاد......میڈیا اور ہمارے حکم ران ان سب مبہم جنگ جوؤں کو طالبان کا نام دے کر کس کو خوش اور کس کا حق نمک ادا کر رہے ہیں۔ ایک دوسرا پہلو اس سے زیادہ قابل تشویش ہے کہ اب تک پاکستان کے مذہبی طبقات یعنی مختلف مسالک کا طالبان کے مسئلہ پر اختلاف کبھی ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن اب کچھ عرصہ سے ''اتحاد امت'' کے دعوے دار طالبان کے مسئلے میں عقائد کی آڑ لے کر پاکستان کے مختلف المسالک علماء کے مابین پھوٹ وانتشار ڈالنے کی سازشیں کرنے لگ گئے ہیں جس سے وطن عزیز خصوصاً پنجاب اور سندھ......کراچی......کی فضا شدید سموم ہو جانے کا خطرہ ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس کو طالبان کی اندھا دھند بلکہ دیکھا دیکھی تائید کا ردعمل بھی کہا جا سکتا ہے لیکن اس کا سرا بھی حکومت تک جا پہنچتا ہے کہ وہ بلا تحقیق و تفتیش ہر داڑھی والے کو طالبان قرار دے رہی ہے۔ ہماری حکومت اگر ان میں سے مسلم و غیر مسلم اور ملکی و غیر ملکی کی وضاحت کر دے تو وطن عزیز کی فضا مکدر ہونے سے یقیناً بچ سکتی ہے۔ اس طرح طالبان کے حامی ومخالف اگر دلائل، سلیقے، بردباری اور تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے اس اختلاف رائے کو سٹیج پر لانے کی بجائے میڈیا کے شعبدہ بازوں سے بچتے ہوئے باہمی ملاقاتوں اور تبادلہ خیالات کے ساتھ اتفاق میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں تو یہ دین پر وطن پر اور مسلم امہ پر احسان عظیم ہوگا۔

طالبان کی تائید بلکہ غیر مشروط تائید کرنے والوں سے درخواست ہے کہ مبہم جنگجوؤں کو واضح کرنے کی جو گزارش ہم نے حکومت سے کی ہے یہ جماعتیں ہر ممکن کوشش کر کے طالبان کے متعلق تفصیلات حاصل کر کے حکومت سے تائید یا تردید کا تقاضا کریں وگرنہ یہ جماعتیں عساکر پاکستان کو اعتماد میں لے کر وہ فہرستیں جاری کر دیں تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

اسی طرح طالبان مخالف رائے رکھنے والے اور طالبان نام کے انسانوں کی جانوں کے ضیاع کرنے کو جہاد کہنے والے حضرات سے بھی درخواست ہے کہ ان کی طالبان پر بے محابا تنقید سے اِن اَن دیکھی طاقتوں کی تائید ہو جائے گی اور ان کو قوت مل جائے گی جو وطن عزیز میں انارکی، قتل وغارت اور خون ریزی کی ایک طویل عرصہ سے خواہش رکھتی ہیں۔

اس موضوع پر عالمی سیاسی تناظر میں سوچنا چاہیے کہ

①......روس کی شکست وریخت میں پاکستان کی ''خدمات'' ایک عالم پر آشکار ہیں کیا روس اب تک اس شکست کے زخم چاٹ نہیں رہا؟ کیا وہ کوئی بھی موقعہ ملنے پر پاکستان سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کرے گا؟

②......امریکہ ہمارا تو کیا کسی کا بھی وفادار ہوسکتا ہے؟ جیسے اس نے روس کو شکست دینے کی خاطر اپنی تاریخی حریف مسلمانوں کو مال بھی دیا اور ٹیکنالوجی بھی، کیا اب وہ مسلم امہ کو تہہ وبالا کرنے کی خاطر روس کو وقتی مفاد دے کر استعمال نہیں کرسکتا؟ کیا روس مالی فائدہ اٹھا کر اپنے شکست کے زخم کو مندمل کرنے کی کوشش نہیں کرسکتا؟

③...... بھارت کی مسلم دشمنی میں کیا کوئی شک وشبہ ہے؟ کیا امریکہ آج کل اس پر نوازشات کی برکھا نہیں برسا رہا؟ یہ تعاون کس خوشی میں ہو رہا ہے؟ کیا بھارت شمالی علاقہ جات کی خوں ریزی میں بہ خوشی حصہ نہیں لے گا؟ کہ خرچے مالکاں دے تے نخرے لوکاں دے!

④......اسرائیل کی مسلم دشمنی ڈھکی چھپی تو کیا تاریخ کا ایک گھناؤنا باب ہے۔ یہ تو اکثر حضرات کو علم ہی ہوگا کہ دنیا میں دو ہی حکومتوں کو نظریاتی کہا جاتا ہے۔ ایک اسرائیل اور دوسرا پاکستان! اس لیے کہ دونوں مملکتیں نظریاتی طور پر وجود میں آئیں۔ اسی طرح اسرائیلی افواج کے مقابلہ میں افواج بھی صرف پاکستانی ہیں ایٹمی پاکستان کی سب سے زیادہ تکلیف بھی اسرائیل ہی کو ہے! کیا کفر کی اس سعی مسلم کشی کے سنہری موقعہ سے اسرائیل فائدہ نہیں اٹھائے گا؟ جب کہ بھارت میں اس کے جنگی ماہرین، عسکری مشیراں بلکہ موساد کے کارندوں کی آمد کا تذکرہ بھی اخبارات میں آتا رہا۔ کیا وہ اس کار شر میں پیچھے رہ سکتا ہے؟

⑤......چین تک پہنچنے یا کم ازکم اس کی نگرانی کی آرزو امریکا مدتوں سے پال رہا ہے جس سے تحفظ کے لیے اب تک چین مہر ومحبت کے سارے قرینے برت رہا ہے پچھلے کچھ عرصہ قبل امریکہ نے جب بھارت سے دست تعاون کھینچ لیا تھا تب چین نے بھارت کے ساتھ غمزہ ورمز شروع کر دیئے تھے جس سے چوکنا ہو کر امریکہ نے دوبارہ بھارت کے لیے درِ دل وا کر دیا تھا۔ جس سے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ لازوال پاک چین دوستی کو پاکستان کے مفادات کے لیے سمجھا جائے؟ مسلمانوں کی ہمدردی سمجھی جائے یا اس دوستی کو چین کے اپنے قومی مفادات کے آئینہ میں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے شمالی علاقہ جات ڈھال بنائے جا رہے ہوں؟ کاش ہمارے حکمران بھی اپنے نظریاتی اور ملکی مفاد کو غیر ملکی مفادات پر ترجیح دیں۔

⑥...... طالبان پر حملوں کی تائید کرنے والی ایک اہم جماعت سے فاٹا کے بے خانماں مظلوموں کی آباد کاری کے متعلق جس طرح منفی رویہ کا اظہار ہوا ہے وہ نہایت افسوسناک ہے ہمدردی اور اخوت کے اس منفی رویے سے ذہنی کوفت ایک تو اس وجہ سے ہوئی کہ اس فکر کو ہوا دینے والے اگر 1947ء میں ہونے والے سلوک کے بارے میں اپنے آباء سے پوچھ لیتے یا سنی ہوئی دکھی داستانیں ذہن میں تازہ کر لیتے تو شاید وہ اس کی جرأت اظہار نہ کرتے دوسرا پہلو یہ ہے کہ خدانخواستہ انسانی بے حسی کا یہ زہر جس علاقہ میں پھیل گیا وہاں اس سے دیگر کئی فتنوں کے سر اٹھانے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

اس لیے طالبان نامی مخلوق کے حامی ومخالف عناصر سے ہماری دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ کھلے دل ودماغ کے ساتھ دین کی روشنی میں، وطن عزیز کی خیر، عوام کے امن اور مسلمانوں کے باہمی اخوت وہمدردی کے جذبہ کو بیدار کریں بلکہ بیدار رکھنے کی بھرپور کوشش کریں ہماری حسن نیت سے ہی اللہ تعالیٰ ہماری الجھی ڈوریں انشاءاللہ سلجھا دے گا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

فہم قرآن

اهمیت تجوید

قرآن وحدیث کی روشنی میں

ابوبکر صدیق (متعلم مدرسہ عالیہ تجوید القرآن مسجد لسوڑے والی، لاہور)

ایک وقت تھا کہ اہل حدیث حضرات علم تجوید وقراءت سے تقریباً ناآشنا یا کم ازکم اس کی رغبت نہیں رکھتے تھے۔ اب بفضلہ تعالیٰ اہل حدیث حضرات اس فن کو حاصل بھی کرتے ہیں، شوق بھی رکھتے ہیں اور حسب روایت علماء ومتقدمین اس فن شریف کی علمی خدمت کے شرف سے مشرف بھی ہورہے ہیں۔ درج ذیل مضمون اس فن شریف میں مزید رغبت وشوق کے لیے دیا جارہا ہے۔ اس کے وجوب وعدم وجوب کے سلسلہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ [احمد شاکر]

الحمد للّٰہ رب العالمین ۔ والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین۔ سیدنا ونبینا وشفیعنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین ۔

قرآنِ مجید انتہائی عظیم کتاب ہے۔ اس کی عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام مبین ہے۔ اور اس کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی عظمت مختلف انداز میں بیان فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ o عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ o بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍo وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴾

[الشعراء: ۱۹۲۔ ۱۹۶]

’’یقیناً یہ قرآن ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے جس کو روح الامین نے آپ کے دل پر اتارا ہے۔ تاکہ آپ ڈرانے والوں میں شامل ہوجائیں۔ یہ فصیح عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر پہلے صحیفوں میں بھی ہے۔‘‘

اور کہیں اللہ تعالیٰ ستاروں کے محل وقوع کی قسم اٹھا کر اس کتاب کو معزز کتاب قرار دیتے ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ o وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ o اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ o فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ o لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ o تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ o ﴾

[الواقعہ: ۷۵، ۸۰]

’’میں ستاروں کے محل وقوع کی قسم کھاتا ہوں اور اگر تم جانو تو یقیناً بہت بڑی قسم ہے۔ یہ قرآن ایک بلند پایہ کتاب ہے جو لوحِ محفوظ میں درج ہے جسے پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا۔ یہ ربّ العالمین کی نازل کردہ ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو کہیں **الکتاب المبین** اور کہیں **الکتاب الحکیم** اور کہیں **تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم** اور کہیں اس کی قسم کھا کر کہتے ہیں: **حم o والکتاب المبین o انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون o** اور کہیں **یس o والقرآن الحکیم** اور کہیں **ص o والقرآن ذی الذکر o**

الغرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے مختلف اوصاف ذکر کرکے اور اس کی قسم کھا کر اس کی عظمت کو واضح فرماتے ہیں۔ تاکہ اس کے ماننے والے بھی اپنے دل کی گہرائی سے اس کی قدر ومنزلت کا اعتراف کریں اور اس

کو اپنا دستورِ حیات بنائیں۔

قرآن پاک کو کیوں نازل کیا گیا:

قرآن پاک کو اس لیے نازل کیا گیا کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ قرآن پاک شفاء بھی ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة اللمؤمنين ﴾

’’اور نازل کیا ہم نے قرآن کو اس میں شفاء ہے اور رحمت ہے مومنین کے لیے۔‘‘

یہ رحمت اور شفاء اسی وقت ہوگی جب ہم اسے اس طرح پڑھیں گے جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ الذين اتينهم الكتاب يتلونه حق تلاوته اولئك يؤمنون به ﴾

’’ہم نے جنھیں کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح تلاوت کا حق ہے۔ وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔‘‘

اس آیت سے ثابت ہوا کہ تلاوت قرآنِ کریم کا کوئی حق ہے۔ اگر تلاوت کا حق ادا نہ ہوا تو ایمان کا حق بھی ادا نہ ہوا۔ تو ایمان کا حق ادا کرنے کے لیے تلاوت کا حق ادا کرنا ہوگا۔ تلاوت کا حق کہاں سے اور کس طرح ادا ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ بات واضح ہے کہ یہ حق علم التجوید سے حاصل ہوگا۔ کیوں کہ یہ علم النحو علم الحدیث اور علم التفسیر کا موضوع نہیں کہ حروف کا حق کس طرح ادا کرنا ہے۔ یہ صرف اور صرف علم التجوید کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن

﴿ عربيا غير ذى عوج لعلهم يتقون ﴾

اور قرآن عربی ہے جس میں کوئی عیب نہیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن فصیح ترین عربی میں نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا تم اس کو عربی میں پڑھو اور نبی ﷺ اس کو عربی میں پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں۔ رسول ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کا ہی فرمان ہے:

’’قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرؤا القرآن بلحون العرب۔‘‘

نبی ﷺ نے فرمایا قرآن کو عرب کے لب ولہجہ میں پڑھو۔ نبی ﷺ نے قرآن کو عربی میں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ کیوں کہ وہ عربی ہی میں نازل کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کو صحیح پڑھنا ضروری ہے اور صحت کا معیار حرور کے مخارج اور صفات ہیں۔ اگر حروف کو مخارج اور صفات سے ادا نہ کیا گیا تو پھر کلام بہائم کے مثل ہو جائے گا۔ بہائم کے نہ مخارج ہوتے ہیں اور نہ صفات مزید تاکید کے لیے اور بات کو سمجھنے کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لا تحرك به لسانك لتعجل به ○ ان علينا جمعه وقرآنه ○ فاذا قرانه فاتبع قرآنه ○ ثم ان علينا بيانه ○ ﴾

’’اے محمد ﷺ وحی کے پڑھنے کے لیے اپنی زبان کو تیز تیز حرکت نہ دیا کریں کہ اس کو جلد یاد کر لیں اس کا جمع کرنا اور پڑھانا نہ ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھیں تو آپ اس کو سنا کریں اور پھر اسی طرح آپ پڑھیں پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔‘‘

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قرآنِ کریم کو آہستہ آہستہ پڑھنا چاہیے اور فرمایا:

﴿ ورتل القرآن ترتيلا ﴾ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

﴿ ورتلنه ترتيلا ﴾ کیوں کہ ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم قرآنِ کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ اس کے حروف اور ان کے مخارج کا لحاظ کر کے پڑھنا چاہیے اور اس کے کلمات کا تلفظ بالکل درست ہونا چاہیے کیوں کہ مخارج یا تلفظ کی تبدیلی سے معانی میں تبدیلی آتی ہے اور یوں قرآنِ مجید کی معنوی تحریف ہونے کا امکان ہو جاتا ہے جیسا کہ

قُلْ	کہو	کُلْ	کھاؤ
صَیْفٌ	گرمی	سَیْفٌ	تلوار

ظِلًّا ظَلِيْلًا	سایہ درسایہ	ذِلًّا ذَلِيْلًا	ذلت درذلت
مَحْذُوْرًا	ڈرنا	مَحْظُوْرًا	
اِثْمٌ	گناہ	اِسْمٌ	نام
مَنْصُوْرًا	مدد کرنا	مَنْثُوْرًا	ریت پراگندہ
مُشْرِقِيْنَ	صبح کے قریب کا وقت	مُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والا
قَلْبٌ	دل	كَلْبٌ	کتا
قَيْدًا	پابندی	كَيْدًا	مکروفریب
تَعْلَمُوْنَ	تم جانتے ہو	تَاْلَمُوْنَ	تم کو تکلیف پہنچی
عَمِيْنٌ	اندھے	اَمِيْنٌ	دیانت دار
عَقْرَبٌ	بچھو	اَقْرَبٌ	قریبی

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم قرآنِ کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ورتلنه ترتيلا o ﴾ [القرآن]

''اس واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ کیوں کہ جب قرآنِ کریم ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے گا تو مذکورہ بالا غلطیاں نہ ہوں گی اور معنی مرادِ الٰہی کے خلاف نہ ہوگا۔

ترتیل رتل سے ہے جس کے معنی کشف وکشادگی کے ہیں۔ لہٰذا کشادہ دانتوں کو عربی میں شعر رتل کہتے ہیں۔ اس لیے مفسرین حضرات نے ترتیل کے معنی لکھے ہیں کہ قرآنِ کریم کو ایسے اطمینان اور تحقیق کے ساتھ پڑھا جائے کہ نہایت عمدہ ادا پر مشتمل ہو۔

ترتیل کے معنی علامہ جزری نے النشر اور علامہ قسطلانی شارح بخاری نے لطائف الاشارات لفنون القراءت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

هو تجويد الحروف ومعرفة الوقوف۔

یعنی حروف کو اس کے مخرج سے مع جمع صفات سے ادا کرنا اور وقفوں کی پہچان حاصل کرنا۔ اس قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ترتیل کی دو اجزاء ہیں۔ تجوید الحروف اور معرفت الوقوف۔ تجوید الحروف کے دو جز ہیں۔ مخارج الحروف اور صفات الحروف۔

یہ علم التجوید کے دو اہم رکن ہیں اور انہی پر حرف کی صحت کا دار ومدار ہے۔ مخارج اور صفات میں ہی غلطی ہونے سے تلاوت میں غلطی واقع ہوتا ہے اور غلطی سے بچاؤ کا ذریعہ علم التجوید ہے۔ جو علم الصرف کا ایک حصہ ہے۔ علم الصرف کی تمام امہات الکتاب کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں صفات اور مخارج کی بحث موجود ہے۔

نہ جانے بعض علماء علم التجوید کی مخالفت کیوں کرتے ہیں اور بعض تو نادانی کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ علم التجوید کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی روایت ہی موجود نہیں؟

ایسے علمائے کرام اگر **ورتلناه ترتيلا** اور **اقرؤ القرآن بلحون العرب** پر غور فرمالیں تو وہ دلیل پالیں گے۔

الترتیل کے معنی بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے۔ ای جودہ تجویدا مفسرین کے اس قول سے علم التجوید ثابت ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مفسرین نے علم التجوید کو مانا ہے اور اس کو قبول کیا ہے۔

قرآنِ کریم کو ترتیل سے پڑھنے کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ پڑھو تم قرآن کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے مثل یعنی ترتیل سے پڑھو۔ میں اگر ایک سورت پڑھوں ترتیل کے ساتھ تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے مجھ کو کہ میں بغیر ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھوں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحقیق:

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ لغت میں ترتیل وضاحت سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور شرح میں قرآنِ کریم کی قراءت میں چند چیزیں ضروری ہیں تاکہ ترتیل کامل ہو۔

① ...... ہر حرف کو اس کے مخرج سے نکال کر صحیح طور پر ادا کرنا

تا کہ بجائے ض کے ظ اور بجائے ط کے ت نہ پڑھی جائے۔

۲......اوقاف کے خوب اچھی طرح رعایت کرنا تا کہ کلام کا وصل اور فصل بے محل ہو۔کلام الٰہی کی صورت نہ بدل جائے۔

۳......حرکات کو یعنی فتح (زبر) ضمہ (پیش) اور کسرہ (زیر) کو واضح کر کے پڑھنا تا کہ یہ حرکات ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہو جائیں۔

۴......آواز کو اس قدر بلند کرنا کہ قرآن کے الفاظ زبان سے کانوں پر پڑیں اور وہاں سے دل تک پہنچیں تا کہ ذوق شوق اور خوف وامید کی کیفیتیں دل میں پیدا ہوں۔

۵......خوش الحانی یعنی آواز کو خوب صورت اور دردمند کرنا تا کہ تاثیر جو مطلوب ہے جلد حاصل ہو جائے۔

۶......شد اور مد کی رعایت رکھنی چاہیے۔کیوں کہ شد اور مد کی رعایت سے کلام کی عظمت وجلالت ظاہر ہوتی ہے اور یہ بات تاثیر میں امداد واعانت کرتی ہے۔

۷......اگر قرآن میں خوف کا مضمون ہو تو اس جگہ ٹھہر جائیں اور عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کریں اور رغبت وطلب کا مضمون ہو تو وہاں بھی ٹھہر جائیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے حصول کی دعا کریں۔

یہ سات چیزیں ایک ہی چیز کے لیے ہیں۔وہی چیز اصل مقصود ہے یعنی فہم وتدبر، کہ اس کے بغیر ان سات چیزوں سے نہ تو اپنے آپ (قاری) کو اور نہ سامع (سننے والے) کو اس کا حصول ہوتا ہے۔

حدیث شریف سے علم التجوید کا ثبوت:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ

عن زید بن ثابت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يحب ان يقرا القرآن كما انزل۔

[رواہ ابن خزیمه]

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک ربّ العالمین اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو اس طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل کیا گیا ہے۔''

علامہ سیوطی نے علامہ دانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جودو القرآن یعنی قرآن کو تجوید سے پڑھو۔

دوسری روایت علامہ نے اس طرح بیان کی ہے:

من احب ان يقرا القرآن عضا كتما انزل فليقراه على قراء ت ابن ام عبد۔

''جو شخص قرآن کو اس کی خوبی کے ساتھ پڑھنا چاہے کہ جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ابن ام عبد کی قراءت پڑھے۔''

ابن ام عبد سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں۔جن کو تجوید القراءت سے حظ وافر ملا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ

عن حذيفة قال قال رسول الله ﷺ اقراء القرآن بلحون العرب واصواتها۔

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کو عرب کے لب ولہجہ میں پڑھو اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔''

ان کی آوازوں میں پڑھنے کا حکم دیا ہے کہ عرب وہ تھے جنھوں نے براہِ راست نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طرح پڑھایا جس طرح انھوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے تعلیم حاصل کی۔

عن عبدالله ابن عمرو بن العاص عن النبى قال يقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا فان منزلتك عند اخراية يقراها۔

[رواه ابوداؤد، الترمذى، وقال ترمذى هذا حديث حسن صحيح]

''عبداللہ ابن عمرو بن العاص رسول ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے ماہر حافظ کو کہا جائے گا کہ اب پڑھ اور اوپر چڑھ اور اس طرح ترتیل سے پڑھ جس طرح تو دنیا میں اطمینان اور سکون سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتا تھا تو اب تیرا اس جگہ مقام ہے کہ جہاں پہنچ کر تو آخری آیت پڑھے گا۔''

اس حدیث میں بھی ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔یعنی اگر دنیا میں قرآن پڑھے گا تو ترتیل سے ہی پڑھنا ضروری ہے۔جیسا کہ آیت میں مذکور ہے اور اگر آخرت میں بھی قرآن پڑھا جائے گا تو ترتیل سے ہی پڑھا جائے گا جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔ اس سے بھی تجوید کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اعربو القرآن**

یعنی قرآن کریم کو خوب کھول کر اور صاف صاف پڑھو۔[مشکوٰۃ]

اور اس سے بھی قرآنِ کریم کو ترتیل سے پڑھنا ثابت ہوا۔بعض علماء نے اپنی تصانیف میں اعراب کے معنی کیے ہیں کہ قرآنِ شریف کو باحرکات اور بااعراب لکھنا اور یہ بات واضح ہے کہ عہد نبوی میں قرآن کو باحرکات اور بااعراب لکھنا مروّج نہ تھا۔سب سے پہلے قرآن کے اعراب حجاج بن یوسف کے دور میں لگائے گئے۔اور اعربوں سے نحوی اعراب یا قرآن کو حرکات یا اعراب مراد لینا غلط ہے۔کیوں کہ نبی پاک کے زمانے میں یہ اصطلاحات نہیں تھیں۔اعربوا سے مراد تبیین اور ترتیل ہے۔

اسی طرح وحید اللغات میں روایت ہے:

اعربوا احادیثنا فانا قوم فصحا۔

''ہماری حدیثیں کھول کھول کر بیان کرو،ہم فصیح لوگ ہیں۔''

اس روایت میں اعراب کے معنی نہ حرکات لگانا ہو سکتے اور نہ نحوی اعراب ہو سکتے ہیں۔اور زیر بحث حدیث اعربوا القرآن کا ترجمہ یوں کیا ہے۔قرآن کے مطالب کو کھول کر بیان کرو یہ معنی ہمارے خلاف نہیں ہے۔کیوں کہ کھول کر پڑھنا تلفظ کے متعلق ہے اور مطالب بیان کرنا معنی کے بیان میں ہے۔دونوں مراد ہو سکتے ہیں ان میں منافات نہیں ہے۔

[تلخیص حلاوۃ الایمان،حضرت علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی]

حضرت امام شافعی کا قول:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ترتیل کا کم تر درجہ یہ ہے کہ صاف صاف اور کھول کھول کر پڑھے اور جلدی نہ کرے۔

[سنن کبریٰ للبیهقی، ج:۲، ص:۵۲، باب کیف قراۃ المصلی]

علم تجوید کا اجماع امت سے ثبوت:

نزولِ قرآن کے زمانہ سے لے کر آج تک قرآن صحیح پڑھنے پر پوری امت کا اجماع ہے اور کسی مسلک کے عالم نے قرآن غلط پڑھنے کا فتویٰ نہیں دیا اور واضح رہے کہ صحیح پڑھنے کا معیار علم التجوید ہے۔علامہ جزری کہتے ہیں:

من یحسن التجوید یظفر بالرشد۔

''جو اچھی طرح تجوید میں ماہر ہوجاتا ہے وہ کامیاب ہوجاتا ہے،ہدایت پانے میں۔''

علم التجوید کا قیاس سے ثبوت:

علم التجوید کا قیاس سے بھی ثبوت ملتا ہے۔وہ اس طرح کی انسانی طبیعت کا تقاضا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو،مکان عمدہ ہو،غذا صاف ستھری اور بہترین ہو۔لہٰذا لازمی امر ہے کہ قرآن کی تلاوت جو روحانی غذا ہے۔بطریق اولیٰ عمدہ اور صاف ستھری ہونی چاہیے،جس کا معیار علم التجوید ہی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآنِ مجید کا علم التجوید سے پڑھنا لازمی اور ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے اور صحیح پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے،(آمین)۔



حجیت حدیث

’’حدیث کی دینی حیثیت‘‘

تاریخ وتعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں

جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری ندوی (مرحوم)

عہدِ رسالت میں، احادیث کے ضبط و کتابت کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی، اس لیے کہ احتمال تھا کہ قرآن اور حدیث مخلوط نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں خود حدیث ناطق موجود تھی، یعنی سرکارِ رسالت کا وجود باجود جب تک رسالت مآب رونق بخش کارگاہِ حیات رہے اس وقت تک حدیثیں منضبط نہیں ہوسکیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ جس وقت تک باقی رہی اس وقت تک استعار واستصواب، سوال جواب اور پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رہا۔

روزے کے متعلق شبہ ہوا کہ خیط ابیض کیا ہے اور خیط اسود سے کیا مراد ہے؟ سرکار نے اس کی تشریح فرمادی۔ امامت کون کرے؟ کس کا حق ہو؟ کتنے وقت کی نماز فرض ہوئی۔ فرشتوں کی حیثیت کیا ہے؟ تیمم کس کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ یہ اور اس قبیل کے بیسیوں جزئی سوالات ہیں جن کا جواب قرآنِ مجید میں نہیں مل سکتا۔ لامحالہ ہمیں اس عمل کو ڈھونڈنا پڑے گا۔ جسے خود قرآن نے ’’اسوۂ حسنہ‘‘ سے یاد کیا ہے اور اس قول کی جستجو کرنی پڑے گی۔ جسے قرآن ہی نے ان ھو الا وحی یوحی کے لقب سے ملقب کا ہے۔ جب ہم میں کسی بات میں اختلاف ہو، راہِ حق مفقود ہو رہی ہو۔ تو لامحالہ رُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَاِلٰی رَسُوْلِہٖ ہی پر سارا عمل ہوگا۔

خلفائے راشدین اور حدیث:

ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ خلفائے راشدین خود بھی روایت بہت کم کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کم کرتے رہتے تھے۔ مندرجہ ذیل واقعات اس کی تردید کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ: وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے حدیث کے قبول کرنے میں سب سے پہلے احتیاط برتی۔ قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت آئی جو ’’جدہ‘‘ (دادی) کا حق طلب کرتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآنِ مجید میں تو میں تیرے لیے کچھ نہیں پایا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کچھ فرمایا ہے۔ پھر آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ ایسا ہی فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کوئی شاہد؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تو آپ نے اسے نافذ فرمایا۔ [تذکرۃ الحفاظ، جلد اوّل]

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگرچہ محتاط تھے لیکن بایں ہمہ اگر کوئی سچی حدیث انھیں مل گئی ہے تو انھوں نے اسے قبول کرلیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: کا احتیاط اس بارے میں بہت زیادہ واضح ہے ایک بار کثرت روایت پر وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ[(۱)] کو پیٹنے کی دھمکی بھی دے چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر ان کے معیار کے مطابق انھیں کوئی حدیث مل گئی ہے تو انھوں نے بھی اسے تسلیم فرمالیا ہے۔[(۲)]

(۱) لیکن اس واقعے کی نسبت حضرت ابوہریرہ کی طرف مشکوک ہے کیوں کہ اس کی سند میں ایک عبدالعزیز دراوردی ہے جس کا حافظہ ردی اور وہمی تھا۔ علاوہ ازیں دراوردی کے نیچے راویوں کا ذکر حافظ ذہبی نے نہیں کیا۔

(۲) حضرت عمر سے بسند صحیح حافظ ابن حزم نے ذکر کیا ہے۔ عن عمر ابن الخطاب قال سیأتی قوم یجادلوکم بشبهات القرآن فخذوه بسنن فان اصحاب السنة اعلم بکتاب الله عزوجل [احکام جلد:۲، ص:۱۴۰] ’’یعنی کچھ لوگ آئندہ پیدا ہوں گے جو قرآن عزیز میں شبہات پیدا کریں گے ان کی سنت سے گرفت کرو۔ کیوں کہ سن کے جاننے والے کتاب اللہ کو بہتر سمجھتے ہیں۔

امام ذہبی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے محدثین کے لیے تثبت فی النقل لازم کر دیا اگر آپ کو شک ہوتا تو خبر واحد میں کبھی کبھی آپ تامل فرماتے۔ چناں چہ جریری ابونفرہ سے اور وہ ابوسعید سے روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے دروازے کے پیچھے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تین بار سلام کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا تو وہ واپس چلے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلوایا اور کہا کہ تم واپس کیوں گئے۔

انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں سے جب کوئی تین بار سلام کرے اور جواب نہ ملے تو اسے واپس ہو جانا چاہیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمھیں اس قول پر دلیل لانا پڑے گی ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا۔ تو ابوموسیٰ ہمارے پاس آئے چہرہ کا ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے پوچھا کیا حال ہے؟ انھوں نے اپنے واقعہ سے مطلع کیا اور دریافت کیا کہ تم میں سے کسی نے اسے سنا ہے۔ ہم نے کہا ہاں ہم میں سے ہر شخص نے سنا ہے۔ پھر ان کے ساتھ ایک آدمی کر دیا اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی۔

دوسرا واقعہ جو پیش کیا جاتا ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا مسلک اور واضح کر دیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ان کی زمین چاہی تو انھوں نے انکار کیا۔ اور حدیث بیان کی کہ تم زیادتی نہیں کر سکتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا دلیل لاؤ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ پس انھوں نے جماعت انصار سے اس کا تذکرہ کیا انصار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی تصدیق کی کہ ہاں یہ حدیث صحیح ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمھیں غیر معتبر نہیں سمجھتا لیکن یہ چاہتا تھا کہ حدیث ثابت ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ: اسی طرح حضرت علی بھی پورے اطمینان کے بعد حدیث قبول فرما لیتے تھے یہاں تک کہ وہ تو جو شخص حدیث بیان کرتا تھا اس سے قسم لے لیتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ: جب حدیث اور سنن کی کثرت ہوئی اور یہ ناممکن ہوگیا کہ وہ انسانی حافظہ میں محفوظ رہ سکیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (جن کا زہد وورع، علم ودیانت، راست بازی اور حق پسندی، انصاف اور معدلت، خشیۃ فی اللہ اور استقامت علی الحق کا ہر فرد وبشر معترف ہے اور انہی اسباب کی بنا پر دنیا انھیں ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتی ہے) کتابت حدیث کا حکم دیا۔ اس کی جمع وتدوین کی کوشش کی اور اس کے ضبط اشاعت کے احکام صادر فرمائے۔

تدوین حدیث: اس جگہ ایک اور خیال کی تصحیح ضروری ہے کہ احادیث کی تدریس اور اشاعت اور ضبط کتابت کا سلسلہ بہت بعد میں شروع ہوا۔ حالاں کہ یہ سلسلہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ چناں چہ طاہر جزائری[1] کہتے ہیں کہ لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عصر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عہد تابعین میں سوائے قرآن کے اور کچھ ضبط کتابت میں نہیں آیا تھا۔ حالاں کہ ثبوت اس کا بھی موجود ہے کہ کتابت کا کام خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر صحابہ رضی اللہ عنہم میں شروع ہوگیا تھا۔ چناں چہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ''علم الفرائض'' پر ایک کتاب تالیف کی تھی۔

نیز امام بخاری نے اپنی صحیح میں وہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے سے افضل بالحدیث اس لیے تسلیم کیا کہ وہ لکھ لیتے تھے۔ چناں چہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کتابت کا جو حکم ابوبکر بن حزم کو دیا تھا وہ خود جلیل القدر تابعی تھے اور وہ صحابہ میں سے۔ سائب بن یزید، عباد بن تمیم، اور عمر بن سلیم الرزاقی اور عمرہ اور خالدہ بنت انس رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کرتے تھے۔ اس طرح زہری رحمہ اللہ بھی جلیل القدر تابعی ہیں انھوں نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث لکھی اور مدون کی۔ حضرت زہری صحابہ میں سے ابن عمر، سہل بن سعد، انس بن مالک، محمود بن الربیع، سعید بن المسیب، امامہ بن سہیل رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں، ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے اساطین علم وفضل نظر آتے ہیں۔ مثلاً معمر، اوزاعی، لیث، مالک اور ابن ابی ذئب وغیرہ۔ غرض یہ معاملہ تو بالکل صاف ہے کہ حدیث کی اشاعت اور کتابت کا کام عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ کچھ اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت کچھ اور عصر تابعین رحمہم اللہ میں باقاعدہ شروع ہوگیا تھا۔ [ماہنامہ رحیق: ۱۹۵۶ء]

---

(۱) توجیہ النظر

ارکانِ اسلام

نماز اوّل وقت پر نہ ادا کرنے کا نقصان

مولانا محمد اسحاق حقانی

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ نماز کی بروقت ادائیگی ہے۔ وقت پر نہ ادا کرنا غفلت اور دین میں سستی اور کمزوری کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

''اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں وزمین کے برابر ہے۔'' [آلِ عمران:۱۳۳]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ خطبہ جمعہ شروع ہونے کے بعد آئے فرمایا کہ یہ کون سا وقت ہے آنے کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پچھلی صفوں میں کھڑے دیکھا تو فرمایا کہ لوگ اس طرح پیچھے ہٹتے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو پیچھے کر دیں گے۔

[مسلم، باب تسوية الصفوف]

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اذان سن کر مسجد کی طرف چلے۔ دنیاوی شغل ختم کر دے تاکہ ان لوگوں میں شامل ہو جن کے بارے میں ارشاد باری ہے:

''کہ یہ نور اللہ تعالیٰ کے ان گھروں میں میسر ہے جن میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کی ادائیگی اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔'' [النور:۳۶]

کس قدر مقام افسوس ہے کہ نمازی بھی بر وقت نماز ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ایک دو رکعتیں نکل جاتی ہیں۔ تو جماعت کے ساتھ شامل ہوتے ہیں، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے کہ اگر لوگوں کو اوّل وقت میں نماز ادا کرنے کا علم ہو جائے تو ایک دوسرے سے سبقت کریں۔ [بخاری، مسلم]

ہمارے اسلاف کو اوّل وقت میں جماعت کے ساتھ نماز کا اس قدر احساس ہوتا تھا کہ اگر تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ نہ ملتی تو انتہائی افسوس ہوتا۔ اگر جماعت سے کبھی محروم رہ جاتے تو سات دن تک افسوس کرتے رہتے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جونہی نماز کا وقت ہوتا تو دل بے قرار ہو جاتا۔ اسلام لانے کے بعد جب بھی اذان ہوتی تو میں باوضو ہوتا۔ حضرت ابوالشعث ربیعہ بن یزید رحمہ اللہ کی چالیس سال تک صبح کی اذان کے وقت غیر حاضری نہیں ہوئی۔ جلیل القدر تابعی سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں پچاس برس میں کبھی میری تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ ہمیشہ صف اوّل میں حاضر ہوتا کسی آدمی کی گدی پر سوائے امام کے نظر نہیں پڑی۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں جب تم کسی کو تکبیرۃ الاحرام میں سستی کرتے دیکھو تو اس کی دوستی سے ہاتھ اٹھا لو۔ حضرت وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت اعمش رحمہ اللہ بڑھاپے کے باوجود تکبیر اولیٰ میں شامل ہوتے دو سال تک میں نے ان کو دیکھا ستر سال کی عمر میں بھی ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی۔ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن جبیرین رحمہ اللہ نے نماز باجماعت کے ساتھ تکبیر تحریمہ کے بعد شامل ہونے کے نقصانات بیان کیے ہیں، جو کہ مختصر درج ذیل ہیں:

①......سکینت ووقار سے محرومی، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: سکینت ووقار لازم پکڑو، جلد بازی نہ کرو۔ [بخاری ومسلم]

②...... تاخیر فضیلت سے محرومی کا باعث ہوتی ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح یا شام مسجد کو جاتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ مہمانی تیار کرتے ہیں۔

③......مسجد کو زیادہ قدم اٹھانے سے محرومی، تیزی کی وجہ سے زیادہ قدم نہیں اٹھاتا۔ فرمایا کہ بنی سلمہ مسجد سے دور رہائش نہ بدلو۔ کیوں کہ تمہارے نقش پا لکھے جاتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے گناہ ختم ہوں اور درجات بلند ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایا کہ طبیعت کے نہ ماننے کے باوجود مکمل وضو کرنا، مساجد کی طرف زیادہ قدم اٹھانا، نماز کے بعد پھر دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ فرمایا کہ یہ سرحدوں کی پہرہ داری ہے۔[مسلم]

④......فرشتوں کی دعا سے محرومی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لیے مسجد کو آتے ہو تو تمہارا ہر قدم درجات کی بلندی اور گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ نماز کے انتظار میں جب تک تم مسجد میں رہتے ہو نماز کا ثواب ملتا ہے اور فرشتے اس نمازی کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کو بخش دے۔ اس پر رحمت نازل کر، یہاں تک کہ کسی کو ایذا دے یا وہ بے وضو ہو جائے۔

صحیح مسلم کے یہ الفاظ ہیں: دور سے چل کر آنے والے کو زیادہ اجر ملتا ہے۔ اسی طرح جو نماز باجماعت ادا کرتا ہے نہ کہ اکیلا پڑھ کر سو جائے۔

⑤......صف اوّل سے محرومی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو صف اور اذان کے بارے میں علم ہو جائے تو بغیر قرعہ اندازی فیصلہ نہ ہو۔ اگر اوّل وقت جانے کی فضیلت کو جان لیں تو اس کے لیے تگ و دو کریں۔ [متفق علیہ] (1)

⑥......تکبیر اولیٰ سے محرومی، جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ کے لیے چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔ وہ آگ اور نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام پیروی کے لیے بنایا گیا ہے۔ جونہی وہ تکبیر کہے تم بھی کہو۔ اگر امام نے قراءت شروع کر دی پھر شامل ہوئے تو اس چیز سے محروم رہ گئے۔

⑦......سنن ونوافل سے محرومی، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو دن رات میں بارہ رکعت (سنن ونوافل) ادا کرتا ہے۔ اس کے لیے ان کے بدلے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔[مسلم]

⑧......قبولیت دعا کے وقت سے محرومی، اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت قبولیت دعا کا وقت ہے۔

الدّعا لا یردّ بین الاذان والاقامۃ۔ [ابوداؤد]

⑨......اذان واقامت کے ثواب سے محرومی، حکم ہے کہ جیسے مؤذن پکارے تم بھی ایسا کہو اور فرمایا کہ جو اذان سن کر دعا پڑھتا ہے وہ سفارش کا حق دار ہو جاتا ہے۔

⑩......ذکر وتلاوت سے محرومی، اذان کے سنتے ہی مسجد آنے والا سنن ونوافل کی ادائیگی کے بعد ذکر وتلاوت میں مشغول ہوتا ہے۔

(1) حافظ ابن حجر شارح بخاری نے صف اول میں شمولیت کے بہت سے فوائد کو علماء سے نقل کیا ہے کہ اس میں اخلاص پایا جاتا ہے، دخول مسجد کا اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ امام کے قریب جگہ ملتی ہے۔ اس کی قراءت پورے طور پر سنتا ہے۔ اس سے علمی استفادہ کرتا ہے۔ بھولنے کی صورت میں لقمہ دیتا ہے۔ اس کا مکبر بھی ہو سکتا ہے۔ سترہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ آگے سے گزرنے والوں پر نظر نہیں پڑتی۔ پہلی صف پر اکثر نمازیوں کے پاؤں نہیں پڑتے۔

جب کہ مسجد سے باہر لوگ بے ہودہ باتوں، کھیل کھود اور نافرمانی کے کاموں میں وقت ضائع کرتے ہیں۔

⑪......آمین کی فضیلت سے محرومی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آمین کہا کرو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے سابقہ گناہ (صغیرہ) معاف ہوگئے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ آمین کہنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑتی، بخشش حاصل ہوجاتی ہے۔ صحابہ کی آمین سے مسجد گونج اٹھتی۔ [بیہقی]

⑫......باجماعت نماز کے ثواب سے محرومی، جماعت کے ساتھ نماز ۲۷ درجات اور اکیلے گھر یا بازار میں ایک نماز۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی جگہ کسی کو امام کر کے گھروں میں دیکھوں جو نماز کے لیے نہیں آتے ان کو جلا دوں۔ مگر بچوں اور عورتوں کی تکلیف کا ڈر ہے جن پر باجماعت فرض نہیں۔

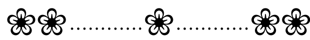
⑬......دل کی مسجد سے لگاؤ کی محرومی، سات خوش نصیب انسان جن کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا ان میں ایک وہ آدمی ہوگا جس کا دل مسجد سے وابستہ ہے، مسجد سے نکلتا ہے مگر دل بے قرار ہے۔

⑭......نماز جنازہ کے ثواب سے محرومی، بعض مساجد میں نمازوں کے بعد جنازہ پڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ خصوصاً حرمین میں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو جنازہ کی نماز پڑھتا ہے اس کو ایک قیراط ملتا ہے، جو دفن تک ساتھ رہتا ہے اس کو دو قیراط۔ پوچھا گیا کہ قیراط کیا ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ دو بڑے پہاڑ۔

⑮......علم و وعظ سے محرومی، اکثر نمازوں کے بعد وعظ و تلقین ہوتی ہے۔ مگر جو بعد میں شامل ہوا وہ اپنی نماز کی تکمیل کرتا ہے۔ اس دوران قرآن و حدیث کا درس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نہ تو نماز کی طرف مکمل توجہ رہتی ہے نہ وعظ و نصیحت کی طرف اور بعض دفعہ مانگنے والے سوالی شور کرتے ہیں۔

⑯......دخول مسجد کی دعا سے محرومی، بعض بازاروں اور جامع مساجد نمازیوں سے بھر جاتی ہے۔ جس کی وجہ لیٹ آنے والوں کو مسجد سے باہر جگہ ملتی ہے۔ خصوصاً حرمین میں جس کی وجہ سے مسجد میں داخل نہیں ہوتا اور نہ دعا پڑھتا ہے۔

⑰......امام کے قرب و یمین سے محرومی، صحابہ آپ ﷺ کے دائیں طرف کھڑا ہونا پسند کرتے۔ فرشتے کی دعا بھی دائیں طرف والوں کو حاصل ہوتی ہے۔



مولانا سعید احمد چنیوٹی (فیصل آباد) کا اعزاز

استاذ الاساتذہ مولانا سعید احمد چنیوٹی حفظہ اللہ کو جی سی یونی ورسٹی (فیصل آباد) سے ایم فل عربیک کلاس میں اوّل آنے پر ڈگری سے نوازا گیا ہے۔

نیز ان کی پنجاب پبلک سروس کمیشن کی سفارش پر گورنمنٹ ہائر ایجوکیشن کی طرف سے لیکچرار (عربیک) اسامی پر تقرری بھی کردی گئی ہے۔

اس اعزاز پر ہم انھیں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور ان کے لیے مزید کامیابیوں کی دعا کرتے ہیں۔

[محمد سلیم چنیوٹی]

بصیرت

تقویٰ

شیخ عمر فاروق

زندگی سراپا اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے:

بندہ مومن کے لیل ونہار، سونا جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، شادی بیاہ، عبادت وریاضت، موت وحیات سب کے سب احکام الٰہی کے مطابق اور سنت نبوی کی اتباع میں بسر ہوتے ہیں۔ اسی کا نام ''بندگی'' ہے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب ہے، حکم ہوتا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ ﴾ [الانعام ٦: ١٦٢، ١٦٣]

''(اے نبی ﷺ!) آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت (تمام عبادات)، میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو رب العالمین ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اِسی کا حکم ہوا ہے اور سب سے پہلے (اُس خالق ومالک) کے لیے سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔''

قلبی عبادات:

کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا دل وجان سے اقرار کرنے کے بعد بنیادی فرائض جو کلمہ گو مسلمان پر عائد ہوتے ہیں وہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں اور ان کو تقویت دینے والی بنیادی باتیں تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر اور شکر ہیں، اس لیے ان کا نام ''قلبی عبادات'' رکھا جا سکتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

یہ وہ فرائض یا قلبی عبادات ہیں جو اسلام کی روح اور ہمارے تمام اعمال کا اصلی جوہر ہیں جن کے الگ کر دینے سے وہ عبادات پنجگانہ بھی جن پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے جسد بے روح بن جاتی ہیں...... ہر اچھے کام کے کرنے اور برائی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ضمیر کا احساس بیدار اور دل میں خیر وشر کی تمیز کے لیے خلش ہو یہ ''تقویٰ'' ہے۔ پھر اس کام کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی رضا مندی کے سوا ہر غرض وغایت سے پاک رکھا جائے یہ ''اخلاص'' ہے۔ پھر اس کام کے کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ رہے یہ ''توکل'' ہے۔ اُس کام میں رکاوٹیں اور دقتیں پیش آئیں یا نتیجہ مناسب حال بر آمد نہ ہو تو دل کو مضبوط رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ سے آس نہ توڑی جائے اور اس راہ میں اپنے برا چاہنے والوں کا بھی برا نہ چاہا جائے یہ ''صبر'' ہے۔ اگر کامیابی کی نعمت ملے تو اس پر مغرور ہونے کی بجائے اُس کو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم سمجھا جائے اور جسم وجان اور زبان سے اس کا اقرار کیا جائے اور اس قسم کے کاموں کے کرنے میں اور زیادہ انہماک صرف کیا جائے یہ ''شکر'' ہے۔

تقویٰ سارے اسلامی احکام کی غایت ہے:

اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں، اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے۔ [سیرت النبی، ج:۵]

لغوی معنی:

''التقویٰ'' ڈر، خوف۔ ''تقویٰ اللہ'' اللہ تعالیٰ کا خوف یعنی اُس کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے اجتناب اُس کی اطاعت کے ذریعہ اُس کی رضامندی کا طالب رہنا اور اُس کی سزا سے بچنے کے لیے گناہوں سے دور رہنا یعنی پرہیز گاری اختیار کرنا۔

[القاموس الوحید، مولانا وحید الزمان قاسمی]

خشوع اور تقویٰ کا گہرا ربط:

خَشَعَ، یَخْشَعُ، خُشُوْعًا ''عاجزی دکھانا، انکساری کرنا، خود کو چھوٹا اور بے حیثیت بنانا، ڈرنا، آواز کا پست کرنا، نگاہ نیچی کر لینا۔''

خَشَعَ لِـرَبِّہٖ، رب کے سامنے جھکنا، اظہار عجز کرنا۔ خَشَعَ صَوْتُہٗ، آواز پست ہوجانا، ہلکی ہوجانا جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴾ [طٰہ ۲۰: ۱۰۸]

''اور آوازیں رحمٰن کے آگے دب جائیں گی، ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے۔'' [القاموس الوحید]

اِن آیات پر غور کیجیے، ان میں تقویٰ کے ساتھ خشوع (ڈر) کے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔

﴿ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴾ [البقرۃ ۲: ۴۸]

''اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا نہ کسی کی طرف سفارش قبول ہوگی، نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی۔''

﴿ وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۰۶]

''(اور جب فسادی اور شریر) انسان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر (تقویٰ اختیار کر) تو اپنے وقار کا خیال اُس کو گناہ پر جما دیتا ہے ایسے شخص کے لیے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔''

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ [البقرۃ ۲: ۲۷۸]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو (ہاں اپنی اصل رقم لے سکتے ہو) اگر واقعی تم ایمان لائے ہو (تمہارے ایمان کا پتا تو احکام الٰہی کی ٹھیک ٹھیک پیروی سے معلوم ہوگا۔)''

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [آلِ عمران ۳: ۲۰۰]

''اے ایمان والو! (خود) صبر کرو اور (دشمن کے مقابلے میں) صبر سے کام لو (ڈٹ جاؤ) اور حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

گویا کہ صبر، مصابرہ اور مرابطہ سب کا اصلی مصدر اور آخری ماخذ تقویٰ الٰہی ہے، آخر میں اس کی تاکید ہے اور اس کا نتیجہ دنیا و عقبیٰ میں فوز و فلاح ہے۔ [تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریابادی]

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [المائدۃ ۵: ۳۵]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (نیک اعمال سے جو سنت نبوی کے مطابق ہوں مولد و مالک کا) قرب تلاش کرو اور اُس کی راہ میں (دین کی سربلندی کے لیے) جدوجہد کرتے رہو، امید ہے کہ تمہیں (دنیا و آخرت میں) فوز و فلاح نصیب ہوگی۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴾ [النحل ۱۶: ۱۲۸]

''یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور رتبہ احسان پر فائز ہیں (جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ احسان کرتے رہتے ہیں صدقہ و خیرات کے ذریعے۔)''

اور حدیث مبارک میں احسان کے معنی ہیں وسعت پیدا کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جب احسان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّكَ اِنْ لَا تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ ۔ " [مسلم، رقم الحدیث: ۹]

''احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اِس طرح کرو گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو (اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کم از کم یہ خیال کرو) کہ وہ ربّ کریم تمھیں دیکھ رہا ہے۔''

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ

عَظِيمٌ ﴾ [الحج ۲۲:۱]

''لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔''

قیامت کی ہولناکی سے بچنے کے لیے اِس دنیا میں اپنے آپ کو اعمالِ حسنہ سے آراستہ کرلو، اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل وجان سے بجالاؤ۔

﴿ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَ اتَّقُوهُ وَ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ o مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيَعًا ط كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ [الروم ۳۰: ۳۱،۳۲]

''(قائم ہوجاؤ اس دین پر) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اُس سے اور نماز قائم کرو اور نہ ہوجاؤ اُن مشرکین میں سے جنھوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، ہرگروہ کے پاس جو کچھ ہے اُسی میں وہ مگن ہے۔''

یہ آیہ مبارکہ بڑی معنی خیز ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے زبردست دعوتِ فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے وہ ان باتوں کا خیال رکھیں:

(ا)......تقویٰ کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اُس کے احکام کو دل وجان سے مانیں۔

(ب)......نماز کو پانچ وقت خشوع وخضوع سے سنت نبوی کے مطابق باجماعت ادا کریں۔

(ج)......وہ اپنی صفوں میں اتحاد رکھیں اور آپس میں مل جل کر رہیں اس لیے کہ دین اسلام نے انھیں جوڑ دیا ہے اور فرقہ بندی سے روکا ہے۔

(د)......فرقہ بندی مسلمانوں کا نہیں مشرکین کا شیوہ ہے جس سے بچنا لازمی ہے۔

افسوس کہ مسلمانوں نے قرآن حکیم کی زریں تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس سے بلاشبہ زبردست نقصان اٹھایا ہے۔ اس وقت اُن پر جو مصیبت پڑی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اس فرقہ بندی پر شاعر مشرق اِس طرح آنسو بہاتا ہے ۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

تقویٰ کے ثمرات:

''تقویٰ'' بندہ مومن کے لیے بے بہا خزانہ ہے اور ایسا سرمایہ ہے جو کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ ہر عبادت کی روح اور اُس حسن کی گارنٹی ہے۔ اِن آیات پر غور کیجیے:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴾ [النور ۲۴: ۵۲]

''(حقیقت میں) کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں (احکام الٰہی کو سنت نبوی کے مطابق ادا کریں) اور اللہ سے ڈرتے رہیں اور اُس کا تقویٰ اختیار کیے رکھیں۔''

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا o يُّصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ﴾

[الاحزاب ۳۳: ۷۰،۷۱]

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ٹھیک بات کیا کرو (ایسی بات جو حق ہو اور اُسی پر ثواب مرتب ہو) (اس کا ثمر یہ ملے گا) اللہ تمہارے اعمال درست کردے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔''

یہ تقویٰ اور قول سدید کا نتیجہ ہے کہ تمہارے اعمال کی اصلاح ہوگی اور وہ ربّ العزت مزید توفیق مرضیات سے نوازے گا اور کچھ کمی کوتاہی رہ جائے گی تو اُسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ [احسن البیان]

اکرام واعزاز بھی صرف اہل تقویٰ کے حصے میں آتا ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ﴾ [الحجرات ۴۹: ۱۳]

''(قومیں اور برادریاں تو صرف تعارف کے لیے ہیں) درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ متقی ہے۔''

مصائب اور معاشی مشکلات سے نجات پانے کا آسان راستہ ہے:
﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ [الطلاق ٦٥: ٢، ٣]
''جوکوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اُس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا فرما دے گا اور اُسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو جو اللہ پر بھروسا کرے اُس کے لیے وہ کافی ہے، اللہ کو اپنے ارادہ پر پورا اختیار ہے اور اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے (اور اُس کا یہ پورا کارخانہ حکمت پر مبنی ہے۔)''

اس وقت امت مسلمہ بالعموم اور پاکستانی قوم بالخصوص اور پھر ملک میں سفید پوش لوگوں کی اکثریت معاشی اور معاشرتی پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے ان کے لیے مندرجہ بالا آیہ کریمہ پر عمل شافی حل ہے۔

ان احادیث مبارکہ پر بھی غور کر لیجیے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
" اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ ۔"
[مسلم، رقم الحديث: ٢٥٧٨]
''ظلم اور زیادتی کرنے سے بچو اس لیے کہ یہ روز قیامت کے اندھیروں میں سے اندھیرا ہے اور حرص وبخل سے بچو اس لیے کہ اس بری عادت نے تم سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا، وہ (حرص وبخل) کی وجہ سے آپس میں (ناحق) خون بہانے لگے اور ناجائز باتوں کو اپنے لیے جائز کر لیا۔''

ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
" اِتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَاَدُّوْا زَكَاةَ اَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيْعُوا ذَا اَمْرِكُمْ، تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ ۔" [الترمذي، رقم الحديث: ٦١٦]
''اپنے رب سے ڈرتے رہو اور پانچ نمازوں کو (ہر وقت) ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے امیر (جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مطابق) حکم دے اطاعت کرو تم اپنے ربّ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا زیادہ تر جنت میں داخلہ کیسے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
" تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ ۔"
[ترمذی، رقم الحديث: ٦١٦]
''اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا اور حسن اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی:
" اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ۔"
[ترمذی، رقم الحديث: ٢٠٣]
''اے ابوذر! تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور برائی کے بعد (فوراً) نیکی کر ڈالو، وہ اُس (برائی کو) مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔''

حقیقت یہ ہے کہ خشوع میں کمال حاصل کرنے کے لیے تقویٰ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے رہنا چاہیے۔
" اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا، اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا ۔"
''اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ سے آراستہ فرما اور اُسے صاف ستھرا بنا دے (ہر قسم کے شرک اور ہر برائی سے) تو ہی بہتر تزکیہ فرمانے والا ہے تو ہی اس (نفس کا) مالک اور نگہبان ہے۔''



مسائل نماز

تسویۃ الصف

ابوطلحہ عبدالوحید، راولپنڈی

احادیث شریفہ میں نماز کی صف بندی کے لیے جتنا زور دیا گیا ہے۔ اکثریت اس سے اتنی ہی بے اعتنائی برتتی ہے۔ صف بندی میں جہاں احناف کی حالت انتہائی قابل اصلاح ہے، وہاں متبعین سنت کا عمل بھی قابل رشک نہیں۔ ایک گروہ کچھ اس انداز سے نماز میں کھڑا ہوتا ہے کہ بعض اوقات تو انسان کا پورا جسم خلا میں محسوس ہوتا ہے کہ ساتھ کھڑے آدمی فاصلے پر ہوتے ہیں۔ جب کہ ایک گروہ صرف پاؤں ملانے پر توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ بے شک کندھوں کے درمیان خلا ہی رہ جائے۔

ذیل میں ہم نے احادیث مبارکہ اور علما ومحدثین کی شروح من وعن نقل کردی ہیں تاکہ قارئین صف بندی کے دوران ان مسائل کو ذہن میں رکھیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ نے صف بندی کی اہمیت پر ایک حکیمانہ نوٹ لکھا ہے وہ ملاحظہ کیجیے:

''اسلام نے فرضی عبادات میں اجتماعیت کو خاص اہمیت دی ہے اور اجتماع میں اگر نظم نہ ہو تو اس کی افادی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ صفوں کی درستی سے اجتماع میں نظم نمایاں ہو سکتا ہے۔ نماز کے وظائف کی تکمیل کے لیے بھی صف بندی بے حد مؤثر ہو سکتی ہے۔ دل کے کوائف میں بھی اس سے ترقی ہوتی ہے۔ نظم کے بعد شور وشغب کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ اس لیے اذکارِ نماز تسبیح، تہلیل، تحمید وتکبیر سے دل پورا حظ حاصل کر سکتا ہے۔

صف بندی سے اجتماع میں ایسے بھی خوب صورتی نمایاں ہوتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی اصلاح کے لیے پوری کوشش فرماتے تھے۔ جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں نماز شروع نہ فرماتے۔

" الا تصفون كما تصف الملائكة ۔"

''تمہاری صفیں ملائکہ کی طرح ہونی چاہئیں۔''

گویا ادب کے لحاظ سے جماعت کی یہ حاضری ایک بادشاہ کے سامنے حاضری کی طرح ہے جس میں مجلس کے تمام آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ نہ صف میں نمایاں شگاف ہو نہ ہی اس میں ٹیڑھا پن ظاہر ہوتا ہو۔

نماز میں حرکت کرنا ناپسندیدہ فعل ہے لیکن اگر صف بندی کے لیے ملنے کی ضرورت ہو تو اس نقل وحرکت کو اجر وثواب کا موجب سمجھا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعیت کا پورا پورا احترام کیا جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جائے۔ باہم مل کر کھڑے ہونا مستحسن ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کوشش فرماتے کہ پاؤں سے پاؤں، کندھے سے کندھا، پنڈلی سے پنڈلی مل جائے۔ یعنی جس قدر ممکن ہو سکے صف ملی ہوئی ہونی چاہیے۔ سیدھی اور درست ہونی چاہیے۔ ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہونے اور پاؤں ملانے سے چڑنا نہیں چاہیے۔''

[مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱،ص:۲۹۲، ناشر ادارۃ احیاء السنۃ گرجاکھ گوجرانوالہ]

(۱) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَوُّوا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ ۔ [بخاری، ج:۱، کتاب الاذان، ص:۵۰۸، ناشر مدینہ کتاب گھر گوجرانوالہ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفیں برابر کرو کیوں کہ صف برابر کرنا نماز کے قائم کرنے میں داخل ہے۔''

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اَقِیْمُوا الصَّفَّ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ اِقَامَۃَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلٰوۃِ ۔ [بخاری، ج:۱، کتاب الاذان، ص:۵۰۸، ناشر مدینہ کتاب گھر گوجرانوالہ]

''نماز میں صف برابر رکھو اس لیے کہ صف برابر رکھنا نماز کا حسن ہے۔''

(۳) عَنْ نُعْمَانَ بْنِ بَشِیْرٍ یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْ لَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ ۔

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اپنی صفیں برابر رکھو،نہیں تو پروردگار تمہارے منہ الٹ دے گا۔''

حاشیہ: یعنی مسخ کر دے گا۔ بعضوں نے کہا مراد یہ ہے کہ تم میں پھوٹ ڈال دے گا۔ [حوالہ مذکورہ بالا]

(٤) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسَوِّیْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاِذَا اسْتَوَیْنَا کَبَّرَ ۔ [رواہ ابوداؤد]

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آنحضرت ﷺ ہماری صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے جب ہم برابر ہو جاتے تو حضرت تکبیر کہتے۔''

حاشیہ: آنحضرت ﷺ نے صفوں کی درستی میں جتنی تاکید کی تھی۔ افسوس کہ آج اتنی ہی بے پروائی کی جا رہی ہے۔ نمازیوں میں بالشت بالشت بھر فاصلہ ہوتا ہے۔ پھر کوئی چار انگل آگے کھڑا ہے اور کوئی پیچھے بچے صفوں کے اندر آ گھستے ہیں۔ صف بنانے میں فرق مراتب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ بعض دفعہ داڑھی منڈے مطلق جاہل امام کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کسی کو خیال نہیں آتا۔ ان سب باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ [مشکوۃ المصابیح جلد اوّل، ص:۹۷، از مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ناشر ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ، گوجرانوالہ]

(۵) حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے برابر ہو جاؤ اور اختلاف مت کرو، ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ تم میں سے سمجھ دار اور عقل مند لوگوں کو میرے قریب کھڑے ہونا چاہیے۔ پھر جو اُن سے ملتے جلتے ہوں۔ ابومسعود نے فرمایا:

فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ اَشَدُّ اِخْتِلَافًا ۔ [مسلم شریف]

''تم لوگوں میں آج اختلاف بہت زیادہ ہے۔''

حاشیہ: قال ابومسعود یعنی آج مسلمانوں میں جو باہمی سر پھٹول اور فتنے راہ پا گئے ہیں۔ تو اس کا اصل سبب یہی ہے کہ ان کی صفیں کج ہوگئی ہیں۔ اس وجہ سے دل مختلف ہو گئے ہیں اور باہمی اختلاف تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ [کتاب الصلوۃ، ص:۳۲۴، از میاں منظور احمد دیوبندی ناشر علمی کتاب خانہ لاہور]

یعنی تم لوگوں نے صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام چھوڑ دیا۔ اس لیے تم میں آپس کے جھگڑے اور اختلافات پیدا ہو گئے۔ [ذوالمرأت شرح مشکوۃ، ص:۱۸۳ از مفتی احمد یار خاں گجراتی بریلوی، ناشر نعیمی کتب خانہ گجرات]

(٦) ''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آنحضرت ﷺ ہماری صفوں کو اس طرح برابر فرماتے کہ ان کی سیدھ سے تیر سیدھا کیا جا سکے یہاں تک کہ حضرت نے سمجھ لیا کہ ہم صفیں درست کرنا سیکھ گئے ہیں۔ پھر ایک دن حضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ تکبیر کہنے ہی والے تھے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی کی چھاتی صف سے باہر بڑھی ہوئی ہے۔ حضرت نے فرمایا: اے اللہ کے بندو! صفوں کو برابر کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دے گا۔''

[مسلم شریف]

یعنی ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے اگر تم نے صفیں درست نہ کیں تو ضرور تمہارے دلوں میں اختلاف پڑ جائے گا اور ہر شخص کا قصد دوسرے سے مختلف ہو جائے گا۔ جدھر کسی کا منہ اٹھے گا ادھر ہی کو چل دے گا۔ اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو جائے گا اور آخر اس کا نتیجہ عداوت اور دشمنی ہوگا۔ اس حدیث پاک سے صف بندی اور باہمی اتحاد کی اہمیت واضح ہوگئی۔ [کتاب الصلوۃ، ص:۳۲۱، از میاں منظور احمد دیوبندی، ناشر علمی کتاب خانہ لاہور]

یعنی اگر تمہاری نماز کی صفیں ٹیڑھی رہیں تو تم میں آپس میں اختلاف اور جھگڑے پیدا ہو جائیں گے۔ شیرازہ بکھر جائے گا یا تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے کہ ان میں سوز و گداز، درد، خشوع وخضوع نہ رہے گا، یا اندیشہ ہے کہ تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں گی۔ [ذوالمرات جلد دوم، ص:۱۸۲، ازمفتی احمد یار خان بریلوی ناشر نعیمی کتب خانہ گجرات]

(۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَی الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَاَنَّهَا الْحَذَفُ ۔ [ابوداؤد بحواله مشكوة]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، اپنی صفوں کو خوب ملاؤ، انھیں قریب قریب بناؤ اور گردنوں کو برابر رکھو مجھے اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں شیطان کو دیکھتا ہوں، وہ بکری کے بچے کی طرح صفوں میں داخل ہوتا ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ فرجہ (شگاف) سے نکلتا ہے گویا کہ بھیڑ کا سیاہ بچہ۔ میں کہتا ہوں کہ ہم نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ ذکر کے حلقوں میں مل مل کر بیٹھنے سے دل جمعی خوب ہوتی ہے اور خطرات بند ہوجاتے ہیں اور ذکر کی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور اس بات کے ترک کرنے سے یہ سب باتیں کم ہوجاتی ہیں اور ان باتوں میں سے جس قدر کسی بات میں کمی ہوتی ہے۔ اسی قدر وہاں شیطان کو دخل ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی وجہ سے صف کے اندر شیطان کو داخل ہوتے دیکھا ہے اور اس خاص صورت میں دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ عادت کے اعتبار سے بھیڑ کا بچہ اکثر ایسی جگہوں میں گھستا پھرتا ہے اور پھر اس کو سیاہی کی صفت میں دیکھنا جو ایک شے کی طینتی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی وجہ سے شیطان اس صورت میں آپ ﷺ کے سامنے متمثل ہوا۔ [حجۃ اللہ البالغہ باب جماعت کا بیان، ص:۳۴۱،۳۴۳، ناشر دارالاشاعت کراچی]

(۸) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ وَكَانَ اَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهٗ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهٖ وَقَدَمَهٗ بِقَدَمِهٖ ۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے (روایت کرتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صفیں برابر رکھو میں تم کو پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں'' (حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) ''اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ (صف میں) اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا۔'' [بخاری شریف، ج:۱، کتاب الاذان، ص:۵۰۹، ناشر مدینہ کتاب گھر گوجرانوالہ]

(۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَّنَاكِبَ فِی الصَّلٰوةِ ۔ [ابوداؤد]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے وہ لوگ بہتر ہیں جن کے کندھے نماز میں نرم ہوں۔''

حاشیہ: ''حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی نمازی کے کندھے پر ہاتھ رکھے اور اشارہ کرے کہ خالی جگہ پر کردو تو اُسے بالکل ضد نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ فوراً اس کا کہنا مان لینا چاہیے۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نماز میں اتنا تن کر کھڑا نہ ہونا چاہیے کہ ساتھ والے آدمی کو سجدہ میں یا قیام میں اٹھتے وقت اس کی کہنیوں سے تکلیف پہنچے بلکہ اپنے کندھوں کو نرم رکھے تا کہ ساتھ والا آدمی آرام پائے۔'' واللہ اعلم بالصواب [مشکوۃ المصابیح، ج:۱، ص:۶۹۸، از مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، ناشر ادارہ احیاء السنہ، گرجاکھ گوجرانوالہ]

(۱۰) ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: صفوں کو درست کرو اور شگاف بند کرو اور بھائیوں کے ہاتھوں میں

نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے شگاف مت چھوڑو، جوصف کو جوڑے اللہ تعالیٰ اُسے جوڑے گا اور جو اسے توڑے اللہ تعالیٰ اسے توڑے گا۔‘‘

حاشیہ: مطلب یہ ہے کہ صفیں سیدھی کرواور خالی جگہوں کو بند کرو۔ یہ حدیث سب سے زیادہ وعید ہے اس آدمی کے لیے جو صف میں خلا رکھے اور اسی طرح سب سے بڑی بشارت ہے اُس آدمی کے لیے جو صف کو ملائے۔ صف کو ملانے کے لیے نماز میں بھی قدم اٹھانے کی اجازت ہے۔ [مشکوٰۃ المصابیح، ج:۱،ص:۶۹۹، از مولانا محمد اسمٰعیل سلفی، ناشر ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ، گوجرانوالہ]

صف کا ملانا یہ ہے کہ صف میں جگہ دیکھے، اس میں کھڑا ہو کر جگہ پر کردے۔ اور توڑنا یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے دور کھڑا ہو، یا ملا ہوا کھڑا تھا اور بلا عذر وہاں سے ہٹ جائے۔ یعنی جو صف کو ملائے گا۔ خدا اُسے اپنی رحمت وکرم سے ملائے گا۔ اور جو صف میں فاصلہ اور کشادگی رکھے، خدا اسے اپنے کرم ورحمت سے دور رکھے یا جو صف ملائے گا خدا اُسے اپنی رحمت سے ملائے گا۔ [ذوالمرات، ص:۱۸۹، ازمفتی احمد یار خان گجراتی بریلوی، ناشر نعیمی کتب خانہ گجرات]

(۱۱) قَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ۔

’’حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ (صف میں) ہم میں سے ہر آدمی اپنا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنے سے ملا کر کھڑا ہوتا۔‘‘ [بخاری شریف کتاب الاذان، ص:۵۰۹، ناشر مدینہ کتاب گھر، گوجرانوالہ]

آخری گزارش:

قارئین کرام سے بصد احترام درخواست ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اپنے پاؤں قبلہ کی جانب سیدھے رکھیں اور پاؤں اتنے ہی کھولیں جس سے اپنے ساتھیوں کے کندھے سے کندھا مل جائے۔

ائمہ کرام سے درخواست ہے کہ اپنے مقتدیوں کو صف بندی کی مشق اس طرح کرائیں کہ جب صف بن جائے تو ان کو ہاتھ باندھنے کا حکم دیں۔ کیوں کہ ہاتھ باندھنے کے بعد بعض اوقات کندھوں میں خلا رہ جاتا ہے۔ پھر دیکھیں کہ سب کے کندھے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کے کندھے نہیں مل رہے تو اس صورت میں ان اصحاب کو اپنے پاؤں سمیٹنے کے لیے کہیں۔ اگر چند مرتبہ اس طرح ریہرسل کرائی جائے تو اُمید ہے نمازی حضرات صف بندی زیادہ بہتر طریقے سے کرنا سیکھ جائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ



خطبہ جمعۃ المبارک

مرکزی جامع مسجد اہل حدیث شہر باغ آزاد کشمیر میں ۲۹ مئی ۲۰۰۹ء کا خطبہ جمعۃ المبارک مولانا عبدالعزیز راشد (فیصل آباد) پڑھائیں گے۔

[غلام اللہ عباسی، مرکزی جمعیت اہل حدیث، باغ کشمیر]

خطبہ جمعۃ المبارک

۱۲۔ جون ۲۰۰۹ء کا خطبہ جمعۃ المبارک مرکزی جامع مسجد محمدی اہل حدیث گندھیاں روڈ کوٹ رادھا کشن میں مناظر اسلام مولانا محمد صادق خاں کوہاٹی ارشاد فرمائیں گے۔

خطبہ جمعہ کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوگی۔

[حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی]

ایک علمی مقابلہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث واہل حدیث یوتھ فورس ضلع ساہیوال کے زیر انتظام آل پنجاب مدارس، مساجد اور سکولز کے طلبائے کرام کے مابین علمی مقابلہ ۵۔ جولائی بروز اتوار صبح آٹھ بجے شروع ہوگا۔

نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبائے کرام کو قیمتی انعامات دیے جائیں گے۔

[عزیز الرحمٰن سلفی، خادم مدرسہ تحفیظ القرآن والحدیث کسووال فون:0334-7483980]

مسائل دینیہ

شفاعت

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

شفاعت کی حقیقت:

اللہ کے ہاں کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کرسکتا، اور شفاعت کرنے والے اس کی شفاعت کرتے ہیں جس پر اللہ راضی ہو۔ لہٰذا سفارش کرنے والے کی حیثیت شریک کی نہیں رہتی، جس طرح مخلوق کا ایک فرد دوسرے کے پاس سفارش کرتا ہے۔ کیوں کہ مخلوق میں سے کوئی فرد اپنے ہم مرتبہ شخص کے پاس یا اپنے سے اعلیٰ یا ادنیٰ کے پاس شفاعت کرتا ہے تو پہلے اس کی اجازت نہیں لیتا اور جس کے پاس سفارش کی گئی ہے وہ بہر حال اس کی شفاعت قبول کر ہی لیتا ہے، یا اس لیے کہ وہ اس کی طرف رغبت رکھتا ہے، یا اس لیے کہ سفارش کرنے والے کے پاس کسی ایسے کام کی طاقت یا سبب موجود ہے جس سے وہ اسے فائدہ پہنچا سکتا ہے، یا اسے کسی خطرہ سے بچا سکتا ہے، یا وہ اس سے ڈرتا ہے، یا اس سے محبت طبعی رکھتا ہے، یا ان میں باہمی تعاون کا معاملہ ہوتا ہے، یا کوئی اور اسی قسم کا سبب ہو سکتا ہے۔

اور سفارش کرنے والے کی شفاعت اس شخص کے ارادہ پر اثر انداز ہوتی ہے جس کے آگے شفاعت کی گئی ہے۔ چناں چہ پہلے جس کام کے لیے اس کا ارادہ نہیں ہوتا اس سفارش کی وجہ سے اس کا ارادہ بن جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک حکم کرنے والے کا مامور سے تعلق ہوتا ہے۔ پہلے اس کا ارادہ ایک کام کرنے کا ہوتا ہے لیکن جب حکم دینے والا حکم دے دیتا ہے تو وہ شخص اس کام کو انجام دے دیتا ہے۔ اسی طرح ایک مخلوق کا دوسرے فرد سے سوال کرنا بعض اوقات اس کام کا محرک بن جاتا ہے جس کے لیے سوال کیا گیا ہے۔

''شفاعت'' کا لفظ ''شفع'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ''جفت'' یعنی ''دو'' کا ہے۔ شفاعت کرنے والا حاجت مند کی درخواست پیش کرنے کے موقعہ پر حاجت مند کو اکیلا نہیں رہنے دیتا، بلکہ حاجت مند اور شفاعت کرنے والا دو ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ مشفوع الیہ (جس کے حضور شفاعت کی گئی ہے) کو بھی ''شفع'' کر دیتا ہے۔ کیوں کہ اس کی شفاعت کی وجہ سے مشفوع الیہ مطلوبہ فعل کا فاعل بن جاتا ہے۔ اس طرح اس نے طالب اور مطلوب دونوں کو ''شفع'' کر دیا۔

اللہ تعالیٰ وتر (طاق، اکیلا) ہے، اس کو کوئی شفع نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس کے پاس بلا اجازت شفاعت کو نہیں کر سکتا۔ لہٰذا معاملہ سب کا سب اسی کے ہاتھ میں ہے اور کسی بھی لحاظ سے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آیۃ الکرسی میں اس کی نفی کی ہے:

﴿ **لـه ما فی السموت و ما فی الارض من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه** ﴾ [البقرۃ: ۲۵۵]

''جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے پاس بلا اجازت شفاعت کر سکے؟''

سید الشفعاء ﷺ قیامت کے دن سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء عرض کریں گے تو آپ ﷺ سے کہا جائے گا ''سر اٹھایئے، بات کیجیے سنی جائے گی، طلب کیجیے دیا جائے گا، شفاعت کیجیے مانی جائے گی۔'' چناں چہ آپ ﷺ کے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، اور آپ ﷺ ان لوگوں کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ یعنی بات وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی:

﴿ **قل ان الامر کله لله** ﴾ [آلِ عمران: ۱۵۴]

''کہہ دیجیے: حکم سب اللہ کا ہے۔''

اور اللہ نے اپنے رسول ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿ **لیس لك من الامر شیء** ﴾ [آلِ عمران: ۱۲۸]

''آپ کے ہاتھ میں کوئی معاملہ نہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ الا له الخلق والامر ﴾ [الاعراف: ٥٤]

''خبر دار! تخلیق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔''

تو اللہ کے پاس کوئی شخص شفاعت نہیں کر سکتا مگر اسی کے حکم سے، اور وہ جسے چاہتا ہے اجازت دیتا ہے۔ لیکن شفاعت قبول کر کے شفاعت کرنے والے کی عزت افزائی کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا:

" اشفعوا توجروا، ويقضى الله على لسان نبيه ما شاء ـ" [صحيح البخاری]

''سفارش کیا کرو، تمھیں ثواب ملے گا اور اللہ اپنے نبی ﷺ کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ صادر کرے گا۔''

لہٰذا جب دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرتا ہے یا سفارش کرنے والا سفارش کرتا ہے اور وہ دعا یا سفارش قبول کر لیتا ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کی ذات پر اثر انداز ہونے والا نہیں بن جاتا، جس طرح مخلوق کا ایک فرد دوسرے کے پاس سفارش کر کے اس کی ذات پر اثر انداز ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے دعا کرنے والا بنایا اور اسے شفاعت کرنے والا۔ وہی بندوں کے افعال کا خالق ہے، وہ بندے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، پھر اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، وہ بندے کو ایک عمل کی توفیق دیتا ہے، پھر بندے کو اس عمل کا ثواب بھی دیتا ہے۔ وہی دعا کی توفیق دیتا ہے، پھر دعا قبول کر لیتا ہے۔ لہٰذا اس پر کسی مخلوق کا اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اس فعل کو اپنے دوسرے فعل کا سبب بنا دیتا ہے۔

تقدیر پر ایمان رکھنے والے اہل سنت کے مطابق اس تفصیل میں کوئی کجی یا نقص نہیں۔ کیوں کہ اللہ ہر شے کا خالق ہے، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے، جو کچھ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بندے کے افعال کا اسی طرح خالق ہے جس طرح دوسری مخلوقات کا خالق ہے۔ امام یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں: میں نے اپنے بزرگوں سے ہمیشہ یہی بات سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے۔

لیکن اس سے قدریہ کے قول کی غلطی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ چوں کہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کو پیدا کرتا ہے اور اس میں اللہ کی مرضی اور تخلیق کو دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کے قول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ جو کچھ نہیں کرنے والا تھا بندے نے اسے وہ کام کرنے والا بنا دیا۔ چناں چہ بندے نے اپنی دعا کی وجہ سے اسے قبول کرنے والا بنا دیا، اپنی توبہ سے اسے توبہ قبول کرنے والا بنا دیا، اور اپنی سفارش کی وجہ سے اسے شفاعت قبول کرنے والا بنا دیا۔

اللہ کے ''اذن'' کا مطلب:

اس سے ملتی جلتی بات ان کی ہے جنھوں نے مخلوق کو اللہ کے ہاں بغیر اذن کے شفاعت کرنے والی بنا دیا ہے۔

اذن کی دو صورتیں ہیں: اذن بمعنی مشیت اور خلق ......اور...... اذن بمعنی اجازت و اباحت۔

پہلے معنی کی مثال جادو کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾

''وہ اس کے ساتھ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے اذن سے۔'' [البقرة: ١٠٢]

یہاں اللہ کے اذن سے اس کی مشیت و قدرت مراد ہے۔ ورنہ اللہ نے جادو کے اعمال کی اجازت نہیں دی۔ قدریہ اس ''اذن'' کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کے انکار کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جادو اللہ کے اذن اور حکم کے بغیر نقصان پہنچا دیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾

''جس دن دو لشکر باہم مقابل ہوئے اس دن تمھیں جو مصیبت پہنچی وہ اللہ کے اذن سے تھی۔'' [آلِ عمران: ١٦٦]

یعنی مومنوں کو جو مصیبت پہنچی ......وہ قتل ہوئے، زخمی ہوئے، ان کا مثلہ کیا گیا، انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا...... وہ سب اللہ کے اذن اور اس کے حکم سے تھا۔ وہ کفار کے افعال کا بھی خالق ہے اور مومنوں

کے افعال کا بھی۔

''اذن'' کے دوسرے معنی کی مثال یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ ...... ﴾ [الاحزاب: ٤٥، ٤٦]

''(اے نبی ﷺ)! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا، متنبہ کرنے والا اور اللہ کے اذن سے اس کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا......''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ [الحشر: ٥]

''تم نے کھجور کا جو درخت کاٹا اور جو اپنی جڑ پر کھڑا چھوڑ دیا، وہ سب اللہ کے اذن سے تھا۔''

یہاں اذن سے مراد اجازت ہے اور یہ کہ کرنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ حالاں کہ وہ سب اللہ کی مشیت اور اس کے فیصلہ سے ہی ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے:

﴿ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾

''کون ہے جو اس کے پاس شفاعت کرے مگر اس کے اذن سے۔'' یہ اذن وہ ہے جو اس کی تقدیر اور تشریع سے ہوتا ہے۔ یہاں محض مشیت اور تقدیر مراد نہیں۔ البتہ جادو اور کافروں کا مومنوں پر غالب آ جانا اسی ''اذن'' (مشیت اور تقدیر) سے ہوتا ہے۔

جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ بندے افعال خود کرتے ہیں اور اللہ ان اعمال کا خالق نہیں، نہ یہ اعمال اللہ کی قدرت اور مشیت کے تحت آتے ہیں، تو اس کے خیال میں ہر شفاعت کرنے والا اور ہر دعا کرنے والا جو بھی (شفاعت یا دعا) کرتا ہے وہ اللہ کی تخلیق اور قدرت سے نہیں ہوگا، اگرچہ اس نے شفاعت کی اجازت بھی دے دی ہو۔

البتہ کفر، جادو اور کافروں کا مسلمانوں کو نقصان پہنچانا، یہ ان کے خیال میں اللہ کے اذن کے بغیر واقع ہوتا ہے۔ نہ اذن بمعنی اجازت سے نہ اذن بمعنی مشیت سے۔ کیوں کہ اللہ نے اس کی اجازت تو نہیں دی اور اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور مشیت اور تخلیق کے تحت وہ اسے داخل نہیں مانتے۔ گویا یہ کام اللہ کی مشیت اور اس کی تخلیق کے بغیر ہوا ہے۔

وہ مشرک جو تقدیر کا اقرار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شفاعت کرنے والے تقدیر والے اذن سے شفاعت کریں گے، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اجازت نہ دی ہو۔

تقدیر کا انکار کرنے والے لوگ ...... مثلاً اکثر نصاریٰ ...... کہتے ہیں کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بغیر اذن کے ہے، یعنی نہ انھیں تقدیر والا اذن حاصل ہے نہ شرعی اذن۔ مسلمانوں میں سے قدریہ فرقہ کہتا ہے کہ وہ اذن قدری کے بغیر شفاعت کرتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ سے کوئی چیز طلب کرے جب کہ اسے اذن شرعی حاصل نہ ہو تو اس نے بغیر اذن شرعی کے اور بغیر اذن قدری کے شفاعت کی۔

ان کے نزدیک اجازت کے ساتھ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کو متاثر کرتا ہے لیکن اس کے مباح قرار دینے کی وجہ سے۔ اور جس دعا کرنے والے کو اجازت نہ دی گئی ہو اور وہ دعا کرے اور وہ دعا قبول ہو جائے تو ان کے خیال میں اس نے اثر ڈالا۔ لیکن یہ نہ اس اذن میں شامل ہے نہ اس اذن میں۔ جس طرح بلعم بن باعوراوغیرہ کی مثال دی جا سکتی ہے۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اس کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت کر سکتا ہے؟''

ایک سوال: اگر کوئی کہے کہ بعض شفاعت کرنے والے اللہ کے اذن شرعی کے بغیر شفاعت کرتے ہیں، اگرچہ اس کے فعل کا خالق اللہ ہی ہے، مثلاً نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لیے شفاعت، ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کے لیے شفاعت، نبی ﷺ کی عبداللہ بن ابی کے لیے شفاعت، جب اس کے مرنے پر حضور ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا تھا، اور آیت کریمہ ﴿ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴾ کے متعلق تم کہتے ہو کہ یہ دونوں قسم کی شفاعت کے لیے ہے۔ کیوں کہ اگر اذن قدری مراد ہو تو اس میں ہر شفاعت داخل ہو جائے گی، جس طرح اذن قدری میں کفر اور جادو بھی شامل ہے۔

اس طرح اس کے اذن سے ہونے والے اور اس کے اذن کے بغیر ہونے والے امور میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور اگر اذن شرعی مراد ہوتو قدریہ کا قول لازم آتا ہے۔ انھوں نے اذن شرعی کے بغیر شفاعت کی ہے۔

قبول ہونے والی شفاعت:

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں بلا اجازت شفاعت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد کامل شفاعت یعنی قبول ہونے والی شفاعت ہے۔ جس طرح نمازی کہتا ہے:

سمع الله لمن حمده ''اللہ نے سن لی بات اس کی جس نے اس کی تعریف کی۔'' یعنی قبول کر لی۔

جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

﴿ **هدى للمتقين** ﴾ [البقرۃ:۲] ''اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشَاهَا ﴾ [النازعات:٤٥]

''بے شک آپ اس کو تنبیہ کرتے ہیں جو اس (قیامت) کا خوف رکھتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ [ق: ٤٥]

''پس قرآن کے ساتھ نصیحت کیجیے اس کو جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔''

اور اس مفہوم کی اور بھی آیات ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت، تنبیہ، نصیحت اور تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ متعلم قبولیت تعلیم پر آمادہ ہو۔ جب وہ سیکھے گا تب وہ تعلیم حاصل ہوگی جو سکھانے والے کا مقصود ہے۔ ورنہ کہا جائے گا: ''میں نے اسے تعلیم دی لیکن اس نے نہ سیکھا۔'' جس طرح فرمایا گیا ہے:

﴿ وَأَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدٰى ﴾

''اور ثمود کو ہم نے راہ دکھائی لیکن انھوں نے ہدایت کی بجائے اندھے پن کو پسند کر لیا۔'' [فصلت:١٧]

اسی قسم کی کیفیت شفاعت کی ہے۔ شفاعت کا اصل مقصود یہ ہے کہ جس سے شفاعت کی گئی ہے وہ قبول کر لے۔ یہ مکمل شفاعت ہے اور یہ اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس اگر ایک شفاعت کرنے والا شفاعت کرے اور اس کی شفاعت قبول نہ ہو، تو یہ شفاعت کالعدم ہے اور شفاعت کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ توبہ واستغفار کرے، جس طرح نوح علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿ ...... رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْلِيْ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾

''اے ربّ! بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں، اور اگر تو نے میری بخشش نہ کی اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جاؤں گا۔'' [هود:٤٧]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو منافقوں کی نماز جنازہ ادا کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ چناں چہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ ﴾

''اور ان میں سے کوئی بھی مر جائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہوں۔ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ مرے ہیں تو بھی اس حالت میں کہ وہ فاسق ہیں۔'' [التوبۃ:٨٤]

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ [المنافقون:٦]

''آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں ان کے لیے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی یہ بات نقل فرمائی ہے کہ وہ جہنم میں جانے کے بعد کہیں گے:

﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴾ [الشعراء: ۱۰۰، ۱۰۱]

''ہمارا کوئی سفارشی نہیں، نہ کوئی پکا دوست ہے۔''

یعنی جس شفاعت کی انسان کو ضرورت ہے وہ ایسی قابل اطاعت ہستی کی شفاعت ہے جس کی شفاعت قبول ہو، ردّ نہ کی جاسکتی ہو۔ اور اللہ کے حضور ایسی شفاعت کوئی نہیں کرسکتا، الا یہ کہ اسے قدراً اور شرعاً اللہ کا اذن حاصل ہو۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے کو یقیناً اجازت دے گا، اور بندے کو شفاعت کرنے کی توفیق دے گا۔ یعنی وہی اس کے فعل کا خالق ہے اور وہی اسے اجازت دینے والا ہے۔ جس طرح دعا کی مثال ہے، اللہ ہی اسے دعا کا حکم دیتا ہے اور وہی اسے دعا کرنے والا بناتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، تخلیق کے لحاظ سے بھی اور حکم واجازت کے لحاظ سے بھی۔ جس طرح ارشاد ہے:

﴿ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ﴾ [الاعراف: ٥٤]

''خبردار! تخلیق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا۔''

ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے: ''جو اللہ پر اعتماد کرتا ہے اسے چاہیے کہ اللہ سے دعا کرے۔'' لہٰذا کسی اور کے لیے نہ تخلیق ہے نہ حکم۔

منفی شفاعت:

شریعت میں جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ بلا قید شفاعت ہے۔ شفاعت سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ وہ قبول ہو۔ قبول نہ ہونے والی شفاعت کرنا تو کسی کو بھی مقصود نہیں ہوتا، نہ شفاعت کرنے والے کو، نہ اس کو جس کے لیے شفاعت کی جارہی ہے۔ اگر شفاعت کرنے والے کو اور شفاعت کرانے والے کو معلوم ہو کہ یہ قبول نہیں ہوگی تو وہ شفاعت کریں گے ہی نہیں۔ قبول ہونے والی شفاعت ہی فائدہ مند ہے۔ اس فرمانِ الٰہی میں یہی بات واضح کی گئی ہے:

﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ [سبا: ۲۳]

''اس کے ہاں شفاعت کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے۔''

اور فرمایا:

﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴾ [طه: ۱۰۹]

''اس دن شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کے لیے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔''

ان آیات میں مطلق شفاعت کی نفی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ شفاعت تبھی فائدہ دے گی اگر اذن حاصل ہو۔ اور ''اذن'' سے مراد یہاں ''اذن شرعی'' یعنی اجازت ہے، جس طرح اس آیت میں ''اذن'' سے مراد ''اجازت'' ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ [الحج: ۳۹]

''جن سے جنگ کی جاتی ہے انھیں بھی (جنگ کی) اجازت دے دی گئی ہے کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔''

آیت مبارک میں ﴿ الا لمن اذن له ﴾ ''مگر جس کے لیے وہ اجازت دے'' کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لیے شفاعت کرنا مطلوب ہے اس کے لیے شفاعت کرنے کی کسی کو اجازت دی جائے۔ مطلق شفاعت کی کسی کو اجازت نہیں دی جائے گی، بلکہ انھیں صرف مخصوص افراد کے لیے شفاعت کی اجازت ہوگی جن کے لیے شفاعت کرنے کی اللہ اجازت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا، يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴾

''اس دن وہ اس پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے جس کے لیے کوئی کجی نہیں۔ اور آوازیں رحمٰن کے لیے پست ہوجائیں گی، پس آپ سوائے چاپ کے کچھ نہیں سنیں گے۔ اس دن شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر جس کے لیے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے۔'' [طه: ۱۰۸، ۱۰۹]

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

ایک یہ کہ صرف اسی کی شفاعت فائدہ دے گی جس کو اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دے۔

دوسرا یہ کہ صرف اسی کو شفاعت سے فائدہ ہوگا جس کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ دے دے۔ اکثر مفسرین سے یہی قول مروی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ شفاعت فائدہ دے گی، نہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے گا، اور نہ نفع دینے والی بنے گی، مگر انہی کے لیے جن کے لیے اجازت حاصل ہوگی۔ جس طرح دوسری آیت میں ہے:

﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ [سبا:٢٣]

''اس کے ہاں شفاعت فائدہ نہیں دے گی مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے۔''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ''نہیں فائدے دے گی مگر اس سفارش کرنے والے کے لیے جس کو اجازت ملی ہو۔'' اگر یہ کہنا مقصود ہوتا تو یوں کہا جاتا:

﴿ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾

بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾

(جس کے لیے اجازت دے) اور اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے حق میں شفاعت کرنا مقصود ہے، جسے اس شفاعت سے فائدہ ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا:

﴿ حتی اذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا الحق ﴾ [سبا:٢٣]

''حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو کہتے ہیں: تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ کہتے ہیں: حق فرمایا۔''

یہاں مذکور افراد سے مراد ''شفاعت کرنے والے'' نہیں ہیں، بلکہ وہ حضرات مراد ہیں جن کا ذکر اس آیت مبارک میں ہوا ہے:

﴿ وما لهم فيهما من شرك وماله منهم من ظهير ﴾

''آسمان وزمین میں ان کی کوئی شراکت نہیں، نہ ان میں سے کوئی اللہ کا پشت پناہ ہے۔'' [سبا:٢٢]

اس کے بعد ارشاد ہوا:

﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ ...... ﴾ [سبا:٢٣]

''اس کے ہاں شفاعت فائدہ نہیں دیتی مگر......۔''

اور بیان کیا کہ یہ ناممکن ہے۔ حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو کہتے ہیں: تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ پھر کہتے ہیں: سچ فرمایا: انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ نے کیا فرمایا: جب گھبراہٹ دور ہوتی ہے تب پتا چلتا ہے، تو یہ ملائکہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کس طرح کر سکتے ہیں؟

جب اللہ تعالیٰ کسی کے حق میں شفاعت کی اجازت دے دیں تو اس کے ساتھ شفاعت کرنے والے کو بھی شفاعت کی اجازت مل جاتی ہے۔ یہ اجازت مطلق ہے۔ اس کے برعکس اگر صرف شفاعت کرنے والے کو شفاعت کی اجازت دی جائے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فلاں کے حق میں شفاعت کی اجازت مل گئی ہے۔ اس کے لیے ''اذن خاص'' کی ضرورت ہے۔

بہت سے مفسرین نے اسی طرح فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت سے صرف مومنوں کو فائدہ ہوگا۔ سلف نے اس آیت کی شرح اسی طرح کی ہے:

﴿ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ [طٰہٰ:١٠٩]

کی شرح کرتے ہوئے امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مقام محمود جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾

[الاسراء: ٧٩]

''قریب ہے کہ آپ کا ربّ آپ کو مقام محمود پر پہنچا دے۔''

اس سے مراد قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کا شفاعت کرنا ہے اور

﴿ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی شفاعت مومنوں کے حق میں قبول فرمائے گا۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''﴿ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ﴾ یعنی اللہ اس کو اس کے حق میں شفاعت کی اجازت دے۔ ﴿ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴾ یعنی اس کی بات کو پسند فرمائے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اس سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔'' بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ غیر مومن کے لیے شفاعت نہیں کرے گا۔''

﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهٗ ﴾ کی تشریح میں بھی دونوں قول ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تردید میں فرمائی۔ کیوں کہ وہ کہتے ہیں:

﴿ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [یونس:۱۸]

''یہ بزرگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔''

فرمایا: یہ معنی بھی ہوسکتا ہے ''مگر جس کے لیے اجازت دے کہ وہ اس کے لیے شفاعت کرے۔''

﴿ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ ...... ﴾ [الزخرف:۸۶]

''جن کو یہ لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ شفاعت کے مالک نہیں مگر جو حق کے ساتھ گواہی دے......''

اللہ نے قرآنِ مجید میں بعض مقامات پر شفاعت کے لیے اپنے اذن کی شرط بیان کی ہے۔ مثلاً:

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ﴾

''کون ہے جو اس کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے؟''

بعض اوقات اسے ''شہادت بالحق'' سے مشروط کیا ہے۔ مثلاً:

﴿ و لا يملك الذين يدعون من دونه الشفاعة ﴾

''جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ تو شفاعت کے مالک ہی نہیں۔''

اس کے بعد فرمایا:

﴿ الا من شهد بالحق وهم يعلمون ﴾

''مگر جو حق کے ساتھ گواہی دیں اور وہ جانتے ہوں۔''

یہاں دو شرطیں بیان کی ہیں، رحمٰن کی طرف سے اجازت ہونا اور صحیح بات کہنا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اشفعوا توجروا، ويقضي الله على لسان نبيه ما شاء۔"

''شفاعت کرو، تمھیں اجر ملے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ کردے گا۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے محمد ﷺ کی سب سے زیادہ جو عزت افزائی فرمائے گا وہ شفاعت ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہی ''مقامِ محمود'' ہے، جس مقام پر فائز ہونے پر سب اگلے پچھلے انسان حضور ﷺ کی تعریف کریں گے۔

صحیح حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

" يا بني عبد مناف، لا املك لكم من الله من شيء، يا صفية عمة رسول الله صلى الله عليه وسلم لا املك لك من الله من شيء، يا عباس عم رسول الله، لا املك لك من الله من شيء۔"

''اے عبد مناف کی اولاد! میں اللہ (کے غضب) سے (بچانے کے لیے) تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں۔ اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ! میں تیرے لیے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں۔ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس! میں تیرے لیے اللہ سے کسی چیز کا مالک نہیں۔''

''بخاری'' ہی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

" لا الفين احدكم ياتي يوم القيامة على رقبته بعير له رغاء او شاة لها يعاء، او رقاع تخفق، فيقول: اغثني، اغثني، فاقول: قد ابلغتك، لا املك لك من الله من شيء۔"

''ایسا نہ ہو کہ میں تم کو قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ

اس کی گردن پر بلبلاتا ہوا اونٹ ہو، یا ممیاتی ہوئی بکری ہو یا پھڑ پھڑاتا ہوا کپڑا ہو اور وہ کہے: میری فریاد رسی کیجیے! میری فریاد سنیے! اور میں کہوں: میں نے تجھے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے، اب میں اللہ سے تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرمانِ الٰہی:

﴿ لا یملکون من دونہ الشفاعۃ ﴾

''وہ اس کے سوا کسی سے شفاعت کے مالک نہیں ہوں گے۔''

اور فرمانِ الٰہی:

﴿ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ خِطَابًا ﴾

''وہ اس سے خطاب کا اختیار نہیں رکھیں گے۔''

اپنے اصل مفہوم پر ہے۔ اس آیت ﴿ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ ﴾ میں وہی اندازِ کلام ہے جو حدیث نبوی:

" لا املك لكم من الله من شیء ۔"

میں ہے۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وما املك لك من الله من شیء ﴾ [الممتحنۃ: ٤]

''ابا جان! میں آپ کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ملتی جلتی ہے:

﴿ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ خِطَابًا ۝ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴾

[النباء: ٣٧، ٣٨]

''آسمانوں کا، زمین کا، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کا ربّ، رحمٰن، اس سے وہ بات کرنے کا اختیار نہیں رکھیں گے۔ جس دن روح القدس کھڑے ہوں گے اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، بات نہیں کریں گے، مگر جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی اور اس نے صحیح بات کی۔''

درج ذیل آیت کا بھی یہی مفہوم ہے:

﴿ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہُ قَوْلًا ﴾ [طہ: ١٠٩]

''اس دن شفاعت فائدہ نہیں دے گی، مگر وہ شخص کہ اجازت دی اس کے لیے رحمٰن نے اور پسند کیا اس کے لیے بات کرنا۔''

دونوں جگہ ''اجازت'' کی شرط لگائی گئی ہے۔ وہاں ''صحیح بات'' کا لفظ ہے اور یہاں ''بات کو پسند کرنے'' کا۔ اور جو بھی صحیح بات کرے گا اللہ اس کی بات سے راضی ہوگا۔ اور اللہ سچ ہی سے راضی ہوتا ہے۔

[بہ شکریہ البلاغ ممبئی، ٢٠٠٩ء مئی]

❀❀............❀............❀❀

[بقیہ: مولانا احمد حسین رحمہ اللہ]

" سلم لنا علی المولوی احمد حسین وسائر الجماعۃ ۔"

''ہماری طرف سے مولوی احمد حسین رحمہ اللہ اور ساری جماعت کو سلام کہیے۔''

مولانا ممدوح ١٩٣٦ء میں حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

مولانا موصوف نے اس علاقے میں ذہین، سمجھ دار اور کامیاب طبیب کی حیثیت سے بھی بڑی شہرت پائی اور عالم دین کے طور سے بھی ان کا نام دور تک پہنچا۔

وہ چودھری قسم کے عالم دین تھے اور کام کاج کے سلسلے میں لوگوں کی آمد و رفت ان کے ہاں رہتی تھی۔ وہ ہر شخص کی بات غور سے سنتے اور کام کرانے کی کوشش کرتے تھے۔

لباس سفید استعمال کرتے تھے اور سواری کے لیے بائیسیکل تھی۔ اس صاحب مطالعہ عالم دین اور نامور طبیب نے ٣١۔ اگست ١٩٨١ء کو وفات پائی۔ نماز جنازہ مولانا حافظ عبدالرشید (ساکن گڑھ مہاراجہ، جھنگ) نے پڑھائی اور گاؤں کے قبرستان میں دفن کیے گئے جہاں ان کے شیخ مدفون تھے۔

❀❀............❀............❀❀

سیر وسوانح

مولانا احمد حسین رحمہ اللہ

مدرسہ تعلیم الاسلام، اوڈاں والا کے اوّلین ممتحن

حکیم مدثر محمد خاں رانا

مولانا احمد حسین بن حاجی چودھری الٰہی بخش ۱۸۹۷ء کو موضع سُرطان پور، تحصیل روپڑ، ضلع انبالا میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں ان کے والد اہل وعیال سمیت لائل پور کی تحصیل سمندری کے چک نمبر ۴۷۹ گ ب میں مقیم ہوئے۔ اس علاقے کی آبادکاری کے ساتھ ہی حافظ محمد بکنوی حافظ آبادی رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ) نے ۴۷۹ گ ب میں اقامت اختیار کی اور وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس کا آغاز کیا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے اس گاؤں کے تمام باشندے جو بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، اہل حدیث ہوگئے بلکہ اردگرد کے دیہات میں بھی اس کے اثرات پھیلے۔

اس گاؤں کے جن اصحاب نے ان سے تعلیم حاصل کی، ان میں سے اس نواح کے معروف چند نام یہ ہیں: مولانا خدا بخش، مولانا عطاء اللہ، مولانا محمد اسمٰعیل، حافظ عبدالغفور قاضی اور مولانا احمد حسین۔

مولانا احمد حسین نے ۱۹۰۷ء میں حصولِ علم کا آغاز کیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حافظ محمد بکنوی رحمہ اللہ (وفات: ۱۹۲۵ء) سے صرف ونحو، ترجمہ وتفسیر، اصولِ تفسیر، صحاح ستہ، اصولِ حدیث وغیرہ کی تکمیل کی۔ بعد ازاں دہلی کا قصد کیا اور مدرسہ امینیہ عربیہ، دہلی میں داخل ہوئے اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے فقہ، اصولِ فقہ، فلسفہ، منطق، ادب اور ہیئت وغیرہ علوم کی تکمیل کی۔ اسی دوران میں علم طب کے حصول کا شوق دامن گیر ہوا تو ایورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج، دہلی کی فاضل الطب والجراحت جماعت میں داخلہ لیا۔ مدرسہ طبیہ دہلی خاندان شریفی کے بعض اطباء نے جاری کیا تھا۔ مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں شیدا (وفات: ۲۷، ۲۸ دسمبر کی درمیانی شب ۱۹۲۷ء) نے ۱۹۱۲ء میں اسے کالج کا درجہ دے دیا تھا۔

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی مرحوم (بانی: قرشی دواخانہ) اس کالج میں مولانا کے ہم درس تھے اور حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ بھی اسی زمانے میں یہاں علم طب حاصل کرتے تھے۔ مولانا احمد حسین نے فاضل الطب والجراحت کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور تمغہ جات سے نوازے گئے۔ پھر ایک سال تک حکیم اجمل خاں کے مطب میں تشخیص الامراض اور نکات علاج سے واقفیت حاصل کی اور ۱۹۱۸ء میں واپس وطن لوٹ آئے۔ ۱۹۱۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے اعلیٰ ترین طبی امتحان ''زبدۃ الحکماء'' میں بطور پرائیویٹ امیدوار شرکت کی اور امتیازی نمبروں سے پاس ہوئے اور پھر ''مولوی فاضل'' کا امتحان پاس کیا۔

وطن واپسی کے بعد لائل پور شہر میں مطب شروع کیا جہاں انھیں بڑی کامیابی ہوئی مگر خانگی حالات کی بنا پر واپس گاؤں آگئے۔ گاؤں میں طبابت کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

چودھری فضل محمد مرحوم (ساکن ۲۱۳ گ ب سمندری) کے ساتھ ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ وہ ۳۵ سال ڈسٹرکٹ بورڈ لائل پور کے ممبر رہے۔ انھوں نے مولانا ممدوح کی ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے بطور طبیب تقرری کرائی، وہ اپنے گاؤں کے رئیس تھے اور ایک مربع زمین کے مالک تھے۔

لیکن چودھری صاحب مرحوم کی خواہش تھی کہ مولانا کی طبابت سے زیادہ سے زیادہ خلق خدا مستفید ہو۔ پہلے چک نمبر ۴۸۰ گ ب میں ان کی تقرری ہوئی، پھر چک نمبر ۲۱۳ گ ب میں ان کا تبادلہ ہوگیا۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ جہاں گئے تبلیغ واشاعت اسلام کی جدوجہد کرتے رہے۔

چک ۲۱۳ گ ب میں ان کا قیام مسجد سے ملحق مدرسہ تعلیم القرآن میں تھا۔ اس مدرسے میں حافظ محمد حسین مرحوم (ساکن ۴۲۲ گ ب کٹو، تاندلیانوالا) بطور معلم عرصہ دراز تک خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں مقامی اور بیرونی طلبا ان سے قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس گاؤں میں مولانا بحیثیت سرکاری طبیب جاتے تھے، لیکن اکثر اوقات خطبہ جمعہ بھی دیتے۔ خطبے میں وہ قرآنِ مجید اور احادیث بہ کثرت پڑھتے۔ علاوہ ازیں گاؤں کے معاملات میں لوگ ان سے مشاورت کرتے تھے اور ان کی رائے کو بہت اہمیت دی جاتی۔ ڈسٹرکٹ بورڈ کے خاتمے کے ساتھ ان کی ملازمت بھی اختتام کو پہنچی۔

۱۹۳۲ء میں صوفی محمد عبداللہ مرحوم مغفور نے اوڈاں والا میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا اجراء کیا۔ اس گاؤں کے نمبردار چودھری علی محمد مرحوم صوفی صاحب رحمہ اللہ کے بہت بڑے مشیر اور مدرسے کے مخلص ترین معاون تھے۔ وہ مولانا کے برادرِ نسبتی تھے۔ انہی کے مشورے سے صوفی صاحب نے مولانا ممدوح کو مدرسہ تعلیم الاسلام کا ممتحن مقرر کیا۔ کئی سال وہ باقاعدگی کے ساتھ امتحان لیتے رہے۔ ان کے بعد ایک مرتبہ علامہ عبدالحکیم ندوی رحمہ اللہ نے امتحان لیا۔ مولانا محمد ابراہیم (جنڈاں والا) بھی ممتحن رہے۔ لیکن مولانا احمد حسین مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈاں والا کے پہلے ممتحن تھے۔

طویل مدت تک وہ اپنے گاؤں کی جماعت اہل حدیث کے صدر رہے۔ اس اعتبار سے بھی ان کی خدمات لائق ستائش ہیں۔ انھوں نے اپنے شیخ حافظ محمد بکنوی رحمہ اللہ کے لگائے ہوئے باغ کو ساری زندگی سیراب کیا۔ دین اسلام کے سلسلے میں وہ ادنی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔

وہ صاحب مطالعہ عالم دین تھے، باقاعدگی کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے۔ انھوں نے روزانہ مطالعہ کے لیے ایک مقدار متعین کر رکھی تھی۔ اگر کسی وجہ سے کبھی مطالعہ چھوٹ جاتا تو اگلے دن کمی پوری کر دیتے۔ ان کے ذاتی ذخیرۂ کتب میں بہت سی کتابیں جمع ہوگئی تھیں۔ رازی کی تفسیر کبیر بھی ان کے پاس موجود تھی۔ حکیم ثناء اللہ صاحب کے بقول سنن نسائی کی ایک مفصل شرح بھی موجود تھی۔ دورانِ مطالعہ بعض ضروری مسائل بہ قید حوالہ صفحہ جلد کے ساتھ کے خالی کاغذوں پر تحریر کر لیتے تاکہ بوقت ضرورت آسانی کے ساتھ ان سے استفادہ کیا جاسکے۔

ہفت روزہ "تنظیم اہل حدیث" کے ابتدائی دور میں ان کے بعض وقیع علمی مضامین شائع ہوئے تھے۔

۴۳۔۱۹۴۴ء میں سمندری کے نواحی گاؤں چک نمبر ۴۵۱ گ ب روڑ میں حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کا آریوں کے ساتھ مناظرہ ہوا تھا۔ چک نمبر ۴۷۹ گ ب کے لوگ مناظرے کے بعد حافظ عبداللہ روپڑی کو اپنے گاؤں لے آئے۔ اہل دیہہ کے ساتھ حافظ صاحب موصوف کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ اس دوران حافظ صاحب کا قیام مولانا احمد حسین کے مکان میں رہا۔ حافظ اسمٰعیل اور حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہما اللہ بھی ہمراہ تھے۔ حافظ اسمٰعیل نے مولانا احمد حسین سے کہا کہ وہ حافظ صاحب کو مشکوٰۃ کی شرح لکھنے پر آمادہ کریں۔ مولانا ممدوح نے ان کی خدمت میں یہ گزارش کی تو حافظ اسمٰعیل نے بھی تائید کر دی۔ حتی کہ وہ شرح لکھنے پر آمادہ ہوگئے۔ پھر پتا نہیں یہ شرح کتنی لکھی گئی اور کہاں تک پہنچی۔

حکیم ثناءاللہ صاحب نے، جب کہ وہ مدرسہ تعلیم الاسلام، اوڈاں والا میں زیر تعلیم تھے، حافظ صاحب رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا تھا۔ اس کا جواب انھوں نے اخبار تنظیم اہل حدیث میں ۱۱۔ اگست ۱۹۴۷ء (۲۳ رمضان المبارک) کو تحریر کیا تھا۔ سوال وجواب دونوں عربی میں ہیں۔ جواب کے آخر میں انھوں نے لکھا:

[باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر]

خوفِ محشر سے دِل دہلتا ہے

خواہشِ نفس جو کچلتا ہے　　دامِ شیطاں سے بچ نکلتا ہے
رحم یا رب کہ سایہ ظلمت　　نور کے ساتھ ساتھ چلتا ہے
عمر بھی گھٹ رہی ہے ویسے ہی　　جیسے جیسے یہ وقت ڈھلتا ہے
موت ہر ذِی نفس کو آئے گی　　کس کے سر سے یہ وقت ٹلتا ہے
کل اسی خاک میں سمائے گا　　آج جس پر اکڑ کے چلتا ہے
اِک فسانہ ہے جامِ آبِ حیات　　نظمِ فطرت کہاں بدلتا ہے
جانے وَالا جہاں سے وقتِ سفر　　یاس و حسرت سے ہاتھ ملتا ہے
نفس کی سرکشی معاذ اللہ　　میں سنبھلتا ہوں یہ مچلتا ہے
منکرینِ خُدا یہ بتلائیں　　کیڑا پتھر میں کیسے پلتا ہے
کس طرح اس پہ اعتماد کریں　　اپنے اقوال جو بدلتا ہے
بن ہی جاتا ہے ایک دِن کُندن　　عِشق کی آگ میں جو جلتا ہے
آئینہ دِل کا ناصح ناداں　　حُسنِ اخلاق سے پگھلتا ہے
معصیاتِ حیاتِ رفتہ پر　　آنکھ روتی ہے دِل اُبلتا ہے

آدمی وُہ ہے جس کا اے عاجز
خوفِ محشر سے دِل دہلتا ہے

[عبدالرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی رحمہ اللہ]